نومبر ۱۹۹۹ء

ایڈیٹر
سیّد مبشر احمد ایاز




## خدّام احمدیت!

اٹھو کہ ساعت آئی اور وقت جا رہا ہے

پسرِ مسیح دیکھو کب سے جگا رہا ہے

دوڑو کہ بعد مدت از راہ دور جا کر

وہ تیز گام آگے بڑھتا ہی جا رہا ہے

تم کو بلا رہا ہے، خدّامِ احمدیت

# تقرر صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

## برائے سال 2001-1999ء

مجلس شوریٰ خدام الاحمدیہ 99-98ء میں کارروائی برائے انتخاب صدر مجلس برائے سال 2001-1999ء عمل میں آئی۔ مجلس شوریٰ کی سفارش حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کی خدمت میں پیش کی گئی۔ حضور انور نے مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب کا انتخاب آئندہ دو سال کیلئے منظور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ یہ اعزاز مبارک فرمائے۔ آمین

مکرم سید محمود احمد شاہ صاحب مکرم سید داؤد مظفر شاہ صاحب اور محترمہ صاحبزادی امتہ الحکیم صاحبہ کے صاحبزادے ہیں۔ اس نسبت سے آپ حضرت مصلح موعود کے نواسے اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کے بھانجے ہیں۔ آپ ۱۹ جنوری ۱۹۶۶ء کو نصرت آباد سندھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۸۹ء میں جامعہ احمدیہ میں درجہ شاہد کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد تفسیر القرآن میں تخصص کیا۔ آپ چند ماہ شیخوپورہ میں بطور مربی سلسلہ احمدیہ متعین ہوئے۔ ۱۹۹۴ء سے آپ انچارج گلش احمد نرسری کے طور پر اور اگست ۱۹۹۹ء سے نائب ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ اور جنوری ۱۹۹۹ء سے دار القضاء میں بطور قاضی سلسلہ احمدیہ کے طور پر بھی خدمات بجالا رہے ہیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان میں اس سے قبل آپ معاون صدر، مہتمم صنعت و تجارت اور ۶ سال سے مہتمم اطفال بھی رہ چکے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○



احمدی نوجوانوں کے لئے

نبوت 1378 ہش

نومبر 1999ء

جلد 47 شمارہ 1

☆☆☆☆☆☆

## فہرست مضامین



☆☆☆


نائبین :۔ فخر الحق شمس ۔ اسد اللہ غالب

قیمت پرچہ: -/7 روپے ☆ سالانہ چندہ: -/70 روپے | رابطہ آفس: دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ

پبلشر: مبارک احمد خالد پرنٹر: قاضی منیر احمد مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

# مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ پاکستان 2000-1999ء

| | |
|---|---|
| ۱۔ نائب صدر | مکرم قمر احمد صاحب کوثر |
| ۲۔ معتمد | مکرم حافظ عبدالاعلیٰ صاحب طاہر |
| ۳۔ مہتمم خدمت خلق | مکرم ڈاکٹر محمد احمد صاحب اشرف |
| ۴۔ مہتمم تعلیم | مکرم فرید احمد نوید صاحب |
| ۵۔ مہتمم تربیت | مکرم مسعود احمد سلیمان صاحب |
| ۶۔ مہتمم مال | مکرم راجہ رفیق احمد صاحب |
| ۷۔ مہتمم عمومی | مکرم ظہیر احمد خان صاحب |
| ۸۔ مہتمم صحت جسمانی | مکرم ڈاکٹر سمیع الاحمد صاحب |
| ۹۔ مہتمم وقار عمل | مکرم نعیم اللہ ملہی صاحب |
| ۱۰۔ مہتمم صنعت و تجارت | مکرم نصیر احمد صاحب انجم |
| ۱۱۔ مہتمم تحریک جدید | مکرم مرزا فضل احمد صاحب |
| ۱۲۔ مہتمم اطفال | مکرم حافظ حفیظ الرحمٰن صاحب |
| ۱۳۔ مہتمم اصلاح وارشاد | مکرم سلیم الدین صاحب |
| ۱۴۔ مہتمم تجنید | مکرم ظفر اللہ خان صاحب طاہر |
| ۱۵۔ مہتمم اشاعت | مکرم سید مبشر احمد صاحب ایاز |
| ۱۶۔ مہتمم مقامی | مکرم ڈاکٹر سلطان احمد صاحب مبشر |
| ۱۷۔ محاسب | مکرم خلیل احمد صاحب تنویر |
| ۱۸۔ مہتمم امور طلباء | مکرم ڈاکٹر عبداللہ پاشا صاحب |
| ۱۹۔ ایڈیشنل مہتمم تربیت | مکرم امین الرحمٰن صاحب |
| ۲۰۔ معاون صدر | مکرم شمشاد احمد صاحب قمر |
| ۲۱۔ معاون صدر | مکرم رفیق احمد صاحب ناصر |
| ۲۲۔ معاون صدر | مکرم حافظ خالد افتخار صاحب |
| ۲۳۔ معاون صدر | مکرم اسداللہ غالب صاحب |

# ہم سب مل کر خدا تعالیٰ کی توحید کے لئے کام کریں

## پیغام صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کے تمام خدام بھائیوں اور اطفال کیلئے میں یہی لکھنا چاہوں گا کہ آیئے آج سے مل کر ہم سب خدا تعالیٰ کی توحید اور تفرید کے لئے کام کریں کیونکہ

"توحید کے سوا کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو کائنات کو ایک دوسرے سے باندھ سکے جو زندگی کو ایک دوسرے کے ساتھ باندھ سکے اور ہر انسان کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کر سکے"

(الفضل انٹرنیشنل 11 جولائی 1997ء خطبہ 23 مئی 1997ء)

خدا تعالیٰ کی توحید کے لئے کام کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہمارے پیارے امام حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ :۔

"ہر ایک کو خدا کی توحید و تفرید کے لئے ایسا جوش ہونا چاہئے جیسا خود خدا کو اپنی توحید کا جوش ہے۔"

(اخبار بدر 19 مارچ 1908ء صفحہ 3 بحوالہ ملفوظات جلد 5 صفحہ 488)

خدام الاحمدیہ نوجوانوں کی تنظیم ہے اور جوانی میں کام کرنے کا خاص جوش و خروش ہوتا ہے آیئے ہم سب مل کر اپنے اس جوش کو خدا تعالیٰ کی توحید کے قیام کیلئے لگادیں کیونکہ آج دنیا کے تمام انسانوں کا امن اسی میں ہے کہ خدا کی توحید اس دنیا میں قائم ہو جائے۔

آج ہمارا امن اور ہمارے مستقبل کی ضامن یہی ایک بات ہے کہ دنیا میں خدا کی توحید قائم ہو جائے۔ ہم سب ایک ہو کر کام کریں ہمارے کاموں میں یک رنگی ہو۔ ہم سب ایک جسم کی مانند ہو جائیں جیسے جسم کے کسی حصہ میں تکلیف ہو تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے اسی طرح ہم سب آپس میں ایک جسم ہو کر کام کریں۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز فرماتے ہیں :۔

"چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی توحید اس کو کہتے ہیں کہ ایک پاؤں کو بھی ذرا سا کانٹا چبھے تو سارا جسم بے چین ہو جائے۔ اور بدن کے کسی حصے کو راحت ملے سارا جسم راحت محسوس کرتا ہے۔ ان سوسائٹیوں کو کینسر ہو جاتے ہیں، جن سوسائٹیوں میں شرک داخل ہو جاتا ہے وہاں بالکل الٹ نظارہ آپ کو نظر آتا ہے۔ کسی کو سکھ پہنچے تو لوگوں کو تکلیف ہونے لگ جاتی ہے۔ آگ لگ رہی ہوتی ہے کہ اچھا اس کو کیوں زیادہ دولت مل گئی ہے، اس کو کیوں زیادہ چین مل گیا ہے۔"

(خطبہ جمعہ 23 ستمبر 83)

یہ توحید کس طرح قائم ہوگی، حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں :۔

"اصل توحید کو قائم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ کی محبت سے پورا حصہ لو۔ اور یہ محبت ثابت نہیں ہو سکتی جب تک عمل حصہ میں ثابت نہ ہو۔ نری زبان سے ثابت نہیں ہوگی"

(الحکم جلد 6 24 مئی 1902ء صفحہ 5 بحوالہ ملفوظات جلد دوم صفحہ 138)

سو ہمیں چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی ذات میں خدا کی توحید کو قائم کریں اپنے اپنے دائرہ اختیار میں توحید کو قائم کریں۔ آپس میں اختلافات، دلوں کی کدورتوں اور نفرتوں کو دور کریں۔ اور روز و شب خدا کے حضور سر بسجود یہ دعا کریں کہ اے اللہ تو ہم خدام سے ایسے کام کروا جن سے تیری توحید اور تفرید اس دنیا میں قائم ہو جائے۔ آمین

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز فرماتے ہیں :۔

"توحید کے قائل ہو تو اپنے نظام میں دنیا میں تمہیں توحید دکھانی پڑیگی۔ اگر ایک خدا کے پجاری ہو تو تمہاری سوسائٹی میں وحدت نظر آنی چاہئے۔ اگر اس کے بجائے تمہارے اندر اختلاف پائے جاتے ہیں۔ تم ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہو، ایک دوسرے کی برائیاں چاہتے ہو۔ لڑائیوں کے لئے بہت تیزی دکھاتے ہو، تکبر کرتے ہو اپنے بھائی سے اور اس کو نیچا سمجھتے ہو تو پھر تمہیں یہ وہم ہے کہ تم توحید کے پجاری ہو۔ پھر تو تم نے الگ الگ رسیاں پکڑلیں، پھر تو تم ایک خدا کے قائل نہیں رہے۔ فرماتا ہے۔ دیکھو

ساری کائنات جس کو اختیار نہیں ہے غلط رستے پہ جانے کا۔ اس میں توحید قائم ہے۔ تمہیں اختیار دیا تھا موت اور زندگی کے درمیان' اس لئے دیا تھا کہ تم زندگی کی طرف مائل ہو اور پہلے سے بڑھ کر زیادہ حسن اختیار کرو۔ اگر تم ٹھوکر کھاؤ گے۔ اگر تم اس فلسفہ کو نہیں سمجھو گے تو پھر رفتہ رفتہ تم موت کا شکار ہو جاؤ گے۔ تمہیں موت پر غالب آنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا موت سے مغلوب ہونے کے لئے تمہیں پیدا نہیں کیا گیا۔ (خطبہ جمعہ 23 ستمبر 83ء)

**آپ کی ساری طاقت کا راز:** حضور انور ایدہ اللہ بصرہ العزیز فرماتے ہیں: "پس (دین حق کے) نظام کو سمجھیں اور اس بات کو خوب سمجھ لیجئے کہ آپ جب تک موحد نہیں بنیں گے اور اس دنیا میں بھی ایک موحد سوسائٹی کو پیدا نہیں کرتے اس وقت تک فرضی توحید کوئی چیز نہیں۔ توحید وہ ہے جو عمل کی دنیا میں نظر آ رہی ہے اور خدا نے آپ کو اس کے نمونے دیدیئے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ اپنی سوسائٹی کو موحد سوسائٹی نہیں بناتے اور ایک بدن کی طرح یک جان نہیں بن جاتے اور ہر احمدی کا دکھ سب کا دکھ نہیں بن جاتا۔ ہر احمدی کی خوشی سب کی خوشی نہیں بن جاتی اُس وقت تک معاشرہ مجموعی طور پر ترقی نہیں کر سکتا۔ اس لئے کوئی ایسا فعل نہ کریں جو اس توحید کو توڑنے والا اور اس یگانگت کی روح کو پارہ پارہ کرنے والا ہو۔ جب آپ اپنے اندر یہ خوبیاں پیدا کرلیں گے تو پھر آپ موحد بن جائیں گے۔ جو قوم موحد بن جاتی ہے اس کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بیشمار برکتیں نصیب ہوتی ہیں اور دنیا میں عظیم الشان ترقی کرتی ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو آگے بڑھنے سے روک نہیں سکتی۔

پس جتنے آپ تھوڑے ہیں جتنے آپ کمزور ہیں اتنے ہی زیادہ توحید کے ساتھ چمٹنے کی ضرورت ہے۔ آپ کی ساری طاقت کا راز یہ ہے کہ آپ ایک دوسرے کے ساتھ یک جان ہو جائیں۔" (خطبہ جمعہ 23 ستمبر 83ء)

نیز فرماتے ہیں:۔ "ہر وہ بات کریں جس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے۔ ہر اس بات سے نفرت کریں جس سے آپس میں نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اور جو پہلے ہو چکا اس کو ختم سمجھیں کہ آئندہ کے لئے اگر آپ کی موجودگی میں کوئی بات ہو جس سے نفرت پیدا ہوتی ہو تو یا اس کو روکیں یا وہاں سے اٹھ کر چلے جائیں جو لوگ نفرت پیدا کرتے ہیں ان سے تعلق توڑ لیں۔ صرف وہی وجود ہیں جو تعلق توڑنے کے لائق ہیں باقی کوئی نہیں ہے۔" (خطبہ جمعہ 23 ستمبر 83ء)

**قوموں کا تفرقہ مٹانے کا ذریعہ:** حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

"پس قوموں کا تفرقہ مٹانا لازم ہے مگر توحید کے ذریعہ وحدتِ الٰہی کے ذریعہ اس کو چھوڑ کر آپ واقعی تفرقہ مٹانے کی کوشش کریں آپ سر ٹکرالیں گے اپنے وجود کو پارہ پارہ کرلیں گے مگر یہ قومی تعصب مٹائے نہیں جائیں گے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ 23 مئی 87ء)

نیز فرماتے ہیں:۔ "کل عالم کو ایک کرنے کے لئے اپنے اپنے ملک میں وحدانیت کے مناظر پیش کریں۔" (خطبہ جمعہ 23 مئی 97ء)

اگر ہم خدا تعالیٰ کی سچی محبت چاہتے ہیں تو ہمارا اس بات پر پختہ ایمان ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ہر وقت ہمیں دیکھ رہا ہے۔ یہ سوچ ہمیں ہر گناہ سے بچا سکتی ہے۔

اگر ایک استاد دیکھ رہا ہو تو کوئی طالب علم جرأت نہیں کرتا کہ وہ نقل لگا سکے۔ اسی طرح اگر ہمارا یہ ایمان ہو کہ ہمارا خدا ہر لمحہ و ہر آن ہمیں دیکھ رہا ہے۔ تو یہ تصور ہمیں ہر گناہ اور ہر قسم کی آلائشوں سے پاک کر سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ "قرآن شریف میں تو جابجا فرمایا گیا ہے کہ خدا ہر جگہ حاضر و ناظر ہے...... جہاں کہیں تم ہو اسی جگہ خدا تمہارے ساتھ ہے" (چشمہ معرفت صفحہ 119 روحانی خزائن 23)

نیز فرماتے ہیں "اس بات میں بڑی لذت ہے کہ انسان خدا کے وجود کو سمجھے کہ وہ ہے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ 202)

**انتشار توجہ نہایت مہلک ہے:** حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز خطبہ جمعہ فرمودہ 9 مئی 97ء میں فرماتے ہیں "انتشارِ توجہ سب سے زیادہ مہلک چیز ہے انسان کو ہر ترقی سے محروم کرتی ہے۔ اور انتشارِ توجہ کا مضمون ہے جو یہاں شرک کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جس سے روکا گیا ہے۔ فرمایا تمہاری صلاحیتیں بہت عظیم الشان ہو کر ابھریں گی لیکن ان کا انتشار نہیں ہونے دینا ان کا رخ خدا کی طرف رکھنا ہے۔ پھر توحید کامل کی برکت سے یہ طاقتیں

جب ایک مرکز پر اکٹھی ہوں گی تو ان سے اتنی حیرت انگیز طاقت ابھرے گی کہ تم اس کا اس سے پہلے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔"

نیز فرمایا" تو خدا کے حضور جب انسان ...... بنتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے اپنی ساری طاقتوں کو خدا کی طرف پھیر دیتا ہے ایک ہی نقطہ ارتکاز ہے ہستی باری تعالیٰ اس کی توحید اور کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ انسان کا انتشار ختم ہو جاتا ہے اور انتشار ہی بدامنی کا دوسرا نام ہے۔ انتشار کا برعکس سلامتی اور..... ہے۔ تو فرمایا جب تو...... بنے گا تو سب دنیا کے لئے...... بن جائے گا تجھ سے دنیا کا امن وابستہ ہو جائے گا۔ پس دنیا کا انتشار دور کرنے کی خاطر اپنے نفوس کا انتشار دور کریں۔ اگر آپ کی شخصیت بکھری ہوئی ہے، پھیلی پڑی ہے آپ کو پتہ ہی نہیں کہ آپ کا مقصد کیا ہے کس رستے پر آپ نے آگے بڑھنا ہے تو دنیا کو کیا الزام دے سکتے ہو۔

پس یہ ساری نصیحت جو میں نے آپ کو اس آیت کے حوالے سے کی ہے اس کا خلاصہ یہی بنتا ہے کہ اپنے آپ کو سنبھالیں، اپنے انتشار دور کریں۔ انتشار ہوں تو پاگل پن پیدا ہوتا ہے۔ انتشار ہو تو انسان کی صلاحیتیں بکھر جاتی ہیں وہ اس کے کسی کام نہیں آتیں۔ جتنے نوجوان انتشار کا شکار ہیں وہ بے چارے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے۔ جن کی توجہ ایک مقصد کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو بڑے بڑے انعامات عطا فرماتا ہے۔ ﴿فی الدنیا حسنہ﴾ کا وعدہ ان کے سامنے ان کے لئے روزمرہ کی ایک حقیقت بن جاتا ہے جو پورا ہوتا چلا جاتا ہے۔"

پس ہر وقت اٹھتے بیٹھتے خدا کا تصور ذہن میں رہنا چاہئے اور یہ کہ ہمارا خدا ہمیں دیکھ رہا ہے اور دل کی گہرائیوں سے زبان سبحان من یرانی کا ورد کرے اور اقرار کرے کہ وہ ذات پاک ہے جو مجھے ہر وقت دیکھتی رہتی ہے۔ یہ بات ہمیں خدا کا قرب عطا کردے گی اور جب ہمیں خدا مل گیا تو گویا ساری کائنات مل گئی۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ "اگر تم خدا کے ہو جاؤ گے تو یقیناً سمجھو کہ خدا تمہارا ہی ہے۔ تم سوئے ہوئے ہو گے اور خدا تعالیٰ تمہارے لئے جاگے گا۔ تم دشمن سے غافل ہو گے۔ اور خدا اسے دیکھے گا اور اس کے منصوبے کو توڑ دے گا۔ تم ابھی تک نہیں جانتے کہ تمہارے خدا میں کیا کیا قدرتیں ہیں..... خدا ایک پیارا خزانہ ہے اس کی قدر کرو کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں اور نہ تمہارے اسباب اور چیزیں کچھ چیز ہیں۔" (ایضاً صفحہ 22)

پس آج اپنے تمام اسباب اور چیزوں پر بھروسہ چھوڑ کر آنکھیں بند کر کے خدا کی گود میں یہ نعرہ لگاتے ہوئے چھلانگ لگا دیں کہ۔

جو ہمارا تھا وہ اب دلبر کا سارا ہو گیا
آج ہم دلبر کے اور دلبر ہمارا ہو گیا
شکر للہ مل گیا ہم کو وہ لعلِ بے بدل
کیا ہوا گر قوم کا دل سنگ خارا ہو گیا

خدا کرے کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے خدا کو پہچاننے والا ہو اور بزبان حال یہ اقرار کرے کہ :۔

"ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی"
(کشتی نوح صفحہ 2، روحانی خزائن جلد 19)

اس دور میں توحید کا عملی نمونہ دیکھنا ہے تو خلیفہ وقت کے وجود اور خلافت احمدیہ میں دیکھ سکتے ہیں چنانچہ اسی بارے میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :.....

"خلیفہ وقت کو خدا تعالیٰ اور الٰہی صفات عطا فرماتا ہے جو کل عالم کو ایک ہی رنگ میں دیکھنے لگتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو خلافت کا وجود مٹ جائے گا اس کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔" (خطبہ جمعہ 23 مئی 97ء)

پس آیئے آج ہم سب مل کر توحید کے سب سے بڑے علمبردار بن جائیں اور اپنے پیارے امام وقت کیلئے خصوصی دعائیں کریں اور خصوصیت سے حضرت مسیح موعودؑ کے ان اشعار میں اپنے امام کو دعا دیں کہ یا اللہ تو ہمارے امام کی ماضی میں کی ہوئی تمام دعائیں قبول فرمالے اور آئندہ بھی جو دعا ہمارے امام مانگیں انہیں بھی تو قبول فرما۔ آمین۔

میری دعائیں ساری کریو قبول باری
میں جاؤں تیرے واری کر تو مدد ہماری
ہم تیرے در پہ آئے لیکر امید بھاری
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

اے اللہ تو ہماری اور سارے احمدیوں کی تمام دعائیں قبول فرما۔

سن میرے پیارے باری میری دعائیں ساری

# قراردادِ تعزیت

## بروفات حضرت مریم صدیقہ صاحبہ

### مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

جماعت احمدیہ کی بزرگ اور محترم خاتون۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی حرم محترم حضرت سیدہ امّ متین۔ مریم صدیقہ صاحبہ 81 برس کی عمر میں انتقال فرماگئیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت چھوٹی آپا سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ اکتوبر 1918ء کو پیدا ہوئیں۔ آپ کے بزرگ والد ماجد حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب تھے جنہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے برادر نسبتی ہونے کا فخر بھی حاصل ہے۔ حضرت میر محمد اسماعیل صاحب نے حضرت چھوٹی آپا کو پیدائش سے پہلے ہی خدا کی راہ میں وقف کر نیکی نذر مانی ہوئی تھی اسی وجہ سے آپ کی پیدائش پر مریم نام رکھا گیا اور ''نذرِالہٰی'' بھی نام رکھا۔

حضرت میر صاحب کی یہ پر خلوص دعائیں اور محبت واخلاص ہی تھا کہ خدائے رحیم وکریم نے اس کو احسن رنگ میں قبول فرمایا اور حضرت مصلح موعود کے عقدِ زوجیت میں آپ کو دے دیا۔

30 ستمبر 1935ء کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب رفیق حضرت مسیح موعود نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ آپ کے نکاح کا اعلان فرمایا۔ حضرت مصلح موعود کی زوجیت میں 30 سالہ رفاقت کے دوران حضرت چھوٹی آپا کو نہایت قابل رشک خدمات کی توفیق ملی جسے تاریخ احمدیت میں ہمیشہ ناقابل فراموش باب کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔

حضرت مصلح موعود کے ساتھ روزمرہ ڈاک اور خصوصاً لجنہ کے امور کے متعلق غیر معمولی محنت کے ساتھ آپ کو معاونت کا شرف حاصل رہا۔ چنانچہ حضور کی طرف سے دی جانے والی ہدایات، خطوط، تقاریر کے نوٹس اور بعض کتب وغیرہ کے نوٹس تحریر کرنا اور خصوصاً تفسیر صغیر کے ترجمہ و تفسیر کے حوالے سے زیادہ تر معاونت آپ کی ایک خاص اور اہم خدمت رہی۔

حضرت مصلح موعود کی بیماری میں انتہائی محبت اور جانفشانی سے آپ نے حضور انور کی خدمت کرنیکی توفیق پائی۔ اور آپ کو یہ اعزاز بھی ملا کہ حضور نے اپنی بیماری کے دنوں میں "الیس اللہ" کی متبرک انگوٹھی اتار کر حضرت چھوٹی آپا کے حوالے کردی تھی کہ جو نیا خلیفہ بنے اس کو دے دی جائے۔

لجنہ اماء اللہ مرکزیہ میں آپ نے سیکرٹری جنرل کے طور پر آپ نے 1942ء سے کام شروع کیا اور 1958ء میں آپ صدر لجنہ اماء اللہ مرکزیہ منتخب ہوئیں اور خدمات کا تاریخی اور شاندار سلسلہ نومبر 1997ء تک رہا۔ اس دور میں تقسیم ہندوپاکستان کی وجہ سے بحیثیت پاکستان میں لجنہ کی از سر نو تنظیم کا کٹھن فریضہ آپ نے خوش اسلوبی سے سرانجام دیا اور اس کے علاوہ انڈونیشیا' سنگاپور' نائجیریا' امریکہ اور یورپ کے متعدد ملکوں کے دورے کئے۔

حضرت چھوٹی آپا نے ہزاروں بچیوں کو قرآن کریم کی تعلیم کے زیور سے آراستہ کیا۔ خواتین کی تعلیم کے لئے "جامعہ نصرت" کا قیام بھی آپ کی تعلیم سے محبت اور محنت کا ثبوت ہے۔ آپ اس کی اعزازی ڈائریکٹر بھی رہیں۔

حضرت سیدہ موصوفہ نے متعدد کتب مرتب فرمائیں۔ جن میں تاریخ لجنہ اماء اللہ۔ الأزہار لذوات الخمار۔ (خواتین کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے خطبات)۔ مشکوٰۃ المصابیح (خواتین کے متعلق المسیح الثالث کے خطبات) خاص طور پر قابل ذکر ہیں آپ کی متعدد تقاریر اور مضامین اس کے علاوہ ہیں جو الفضل اور دیگر رسالوں میں بھی شائع ہوتے رہے ہیں۔

آپ کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئیں' محترمہ امتہ المتین صاحبہ جو محترم سید میر محمود احمد صاحب ناصر وکیل التعلیم و پرنسپل جامعہ احمدیہ کی اہلیہ ہیں۔

ہم ممبران عاملہ ' قائدین علاقہ و اضلاع و ممبران مجلس شوریٰ۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بصرہ العزیز خاندان حضرت اقدس موعود علیہ السلام اور حضرت سیدہ چھوٹی آپا کے دیگر عزیز و اقارب سے دلی تعزیت کا اظہار کرتے ہیں اور خدا کے حضور دُعا کرتے ہیں کہ مولا کریم حضرت سیدہ چھوٹی آپا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ علیین کے مقام سے نوازے اور آپ کی برکتوں سے جماعت کو ہمیشہ متمتع فرماتا رہے۔ آمین۔

ہم ہیں :۔

قائدین علاقہ و اضلاع و ممبرانِ مجلس شوریٰ

مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

قسط دوم

قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

# قرآنِ مجید ۔ ایک تعارف

(مکرم خواجہ ایاز احمد صاحب ۔ صدر شعبہ تفسیر القرآن جامعہ احمدیہ ربوہ)

## قرآن مجید کا ایک جلد میں جمع کیا جانا

آنحضرت ﷺ کی وفات ۱۱ ھ میں ہوئی۔ آپ نے اپنی وفات سے پہلے (جیسا کہ گذشتہ اوراق میں ثابت کیا جاچکا ہے) تمام قرآن مجید کو وحی الٰہی سے قائم کی جانے والی دائمی ترتیب جمع کے مطابق لکھوادیا تھا مگر وہ ایک نسخہ کی شکل میں یکجا نہ تھا بلکہ مختلف اشیاء پر لکھا ہوا مختلف اصحاب کے پاس تھا۔ اوپر سے آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں کو پے در پے مصائب کا سامنا کرنا پڑا جن میں جھوٹے مدعیان نبوت کی شورش و بغاوت ایک بڑا فتنہ تھا۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا معرکہ یمامہ کے مقام پر مسیلمہ کذاب اور اس کے کثیر لشکر کے ساتھ ہوا جس میں جانبین کا بھاری جانی نقصان ہوا۔ شہید ہونے والوں مسلمانوں میں سے سات سو صرف حفاظِ قرآن و قراء

اس طرح پہلی مرتبہ کاغذ پر لکھا ہوا ایک جلد میں یکجا قرآن مجید کا مکمل نسخہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں حضرت عمرؓ اور

تھے اور بعض مورخین کے نزدیک یہ نقصان اس سے بھی بہت زیادہ تھا۔ (عمدۃ القاری جلد ۲۰ صفحہ ۱۶)

اس خونریز معرکہ نے حضرت عمرؓ کے دل میں ایک زبردست تحریک پیدا کی وہ یہ کہ قرآن مجید ابھی تک ایک جلد میں یکجا نہ تھا اسے ایک جلد میں جمع کر لیا جائے۔ ورنہ وہ حفاظ و قراء صحابہ جنہیں کتابتِ وحی کا شرف حاصل ہوا تھا اور جنہوں نے خود آنحضرت ﷺ سے براہ راست قرآن سیکھا تھا اگر اسی کثرت سے خدا کو پیارے ہوتے گئے تو پھر جمع قرآن کا کام اتنا آسان نہ رہے گا۔

اس خدائی تحریک کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تجویز دی کہ قرآن مجید کو یکجا لکھ کر جمع کر لیا جائے۔ پہلے تو حضرت ابوبکرؓ کو اس تجویز سے اختلاف تھا کہ جو کام خود رسول ﷺ نے نہیں کیا وہ کیوں کر کریں۔ مگر حضرت عمرؓ نے اس قدر اصرار کیا کہ خدا نے حضرت ابوبکرؓ کے سینے میں بھی اس کام کے لئے انشراح پیدا کر دیا۔ اس پر آپؓ نے کاتبِ رسولؐ حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا اور اپنی اور حضرت عمرؓ کی رائے سے آگاہ کیا۔ پہلے وہ بھی نہ مانے کہ جو کام رسول کریم ﷺ نے نہیں کیا وہ ہم کیونکر کریں۔ لیکن آخرکار دونوں بزرگوں کے اصرار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کا سینہ بھی اس کام کے لئے کھول دیا۔ مگر یہ کام تھا بہت نازک اور مشکل۔ حضرت زیدؓ کا اپنا کہنا ہے کہ اگر مجھے یہ کام دیا جاتا کہ ایک پہاڑ کھود کر دوسری جگہ منتقل کر دوں تو وہ میرے لئے اس کام سے زیادہ آسان ہوتا۔ تب میں نے (حضرت زیدؓ نے) مختلف چیزوں پر لکھی ہوئی آیات جو مختلف افراد کے پاس تھیں جمع کیں اور قرآن مجید کو ایک جگہ لکھنے کے کام کا آغاز ہوا۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن)

بظاہر اس عظیم الشان کام کے آغاز کی تحریک کا سبب جنگ یمامہ میں کثیر تعداد میں حفاظ و قراء صحابہ کی شہادت ہی تھی جیسا کہ

علامہ زرکشی نے بھی لکھا ہے کہ :-

"قرآن کو یکجا جمع کرنے کا سبب، جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک قرآن کی تحریر مختلف اشیاء پر لکھی ہوئی منتشر تھی یا وہ لوگوں کے سینوں میں بطور حفظ محفوظ تھا۔ مگر اب خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر حفاظ صحابہ اسی طرح دنیا سے جاتے رہے تو مبادہ وحی قرآن کا کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔"

(البرھان فی علوم القرآن۔ جزو اول صفحہ ۲۳۶)

یہ بات اپنی جگہ مسلم مگر خاکسار کے نزدیک حضرت عمرؓ کے دل میں اس تحریک نے جو اس قدر جوش سے جنم لیا اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؓ چاہتے تھے کہ یہ اہم اور نہایت نازک کام ان صحابہ کی زندگی میں ان کی موجودگی اور نگرانی میں ہو جانا چاہئے جن کے سامنے سارا قرآن نازل ہوا اور پھر عملاً نافذ ہوا تھا۔ آپؓ جانتے تھے کہ یہ کام صحابہ کی برکت سے اور ان کی غیر متنازع نگرانی میں اتحاد و اتفاق کے زمانہ میں ہی ہو سکتا ہے۔ اور تاریخ اسلام کہ آئندہ پیش آنے والے واقعات نے اس پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ صحابہ کی اسی برکت اور ان سے حتی المقدور فائدہ اُٹھالینے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے ایک خطبہ جمعہ میں فرمایا :-

"میں آج کا خطبہ بھی اسی مضمون سے متعلق پڑھنا چاہتا ہوں اور جماعت کے دوستوں کو بتانا چاہتا ہوں کہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کے لئے تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں.......... یہ لوگ جنہیں خدا تعالیٰ کے انبیاء کی صحبت حاصل ہوتی ہے، یہ لوگ جو خدا تعالیٰ کے انبیاء کا قرب رکھتے ہیں، خدا کے نبیوں اور اس کے قائم کردہ خلفاء کے بعد دوسرے درجہ پر دنیا کے امن اور سکون کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ خطیب ہوں۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسے لوگ پھر پھر کر لوگوں کو تبلیغ کرنے والے ہوں۔ ان کا وجود ہی لوگوں کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہوتا ہے۔"

(خطبہ جمعہ ۲۲ اگست ۱۹۴۱ء بمقام قادیان۔ بحوالہ روزنامہ الفضل قادیان ۲۸ اگست ۱۹۴۱ء)

بہر حال اس عظیم کام کا آغاز ہوا۔ خلیفہ رسول حضرت ابو بکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو اس کام پر مقرر کرتے ہوئے فرمایا :-

"آپ جوان اور سمجھدار آدمی ہیں۔ آپ کی مسلمہ دیانت ایسی ہے کہ کوئی آپ پر الزام نہیں لگاتا۔ نیز آپ کو رسول اللہ ﷺ کی وحی لکھنے کا شرف بھی حاصل ہے اس لئے قرآن کو یکجا جمع کرنے کا یہ کام آپ ہی سر انجام دیں۔"

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن)

حضرت زیدؓ نے اس کام پر حضرت عمرؓ کو بھی ساتھ مقرر کئے جانے کی درخواست کی جس پر حضرت ابو بکرؓ نے انہیں بھی ساتھ مقرر فرمایا۔

حضرت زیدؓ کی خصوصی اور تمام موجود صحابہ کی عمومی نگرانی اور شمولیت سے تیار ہوا۔ یہ کام اگرچہ صرف حضرت زیدؓ کے سپرد کر کے بھی کروایا جا سکتا تھا کہ حافظ قرآن تھے۔ کاتب وحی تھے۔ لوگوں میں اپنی دیانت کے لحاظ سے خاص مقام رکھتے تھے۔ مگر خلیفہ راشد حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بصیرت نے دیکھ لیا تھا کہ جب تک تمام صحابہ کو اس کام میں شامل نہ کیا گیا اور ان کی بالواسطہ یا بلاواسطہ نگرانی اور تائید حاصل نہ ہوئی تو آج نہیں تو کل، دوست نہیں تو دشمن ضرور قرآن مجید کی صحت پر خطرناک اعتراضات اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح آپ نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس فتنہ عظیمہ کو پیدا ہونے سے قبل ہی دفن فرما دیا۔ حضرت علیؓ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

"اللہ حضرت ابو بکرؓ پر اپنا خاص رحم فرمائے۔ آپؓ نے امت کو کئی فتنوں سے بچا کر راحت پہنچائی ہے۔"

(نہج البلاغۃ جزو ثانی صفحہ ۲۴۹)

نیز ایک اور موقعہ پر حضرت علیؓ نے فرمایا :

"اللہ حضرت ابو بکرؓ پر اپنا رحم فرمائے۔ آپ ہی نے سب سے پہلے قرآن مجید کو ایک جلد میں جمع کرنے کی سعادت پائی.....اور

امت کو ہمیشہ کے لئے اختلاف سے بچا کر محفوظ کر لیا۔"

(البرہان فی علوم القرآن۔ جزو اول صفحہ ۲۳۹)

یہ جو نسخہ تیار ہوا وہ عمر بھر حضرت ابوبکرؓ کے پاس رہا۔ پھر جب حضرت عمرؓ خلیفہ منتخب ہوئے تو ان کے پاس رہا۔ پھر آپ کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے پاس آیا اور انہیں کے پاس رہا۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن)

## تعدد قرأت سے اختلاف کا پیدا ہونا

اللہ تعالیٰ نے تلاوتِ قرآن کے سلسلہ میں اپنے نبی ﷺ کی وساطت سے متعدد انداز میں پڑھ لینے کی جو سہولت دی تھی اس کے مطابق عمل جاری ہے۔ یہ سہولت دراصل قرآن مجید سے قربت اور محبت پیدا کرنے کے لئے تھی اور عرب کے خاص مزاج کے لحاظ سے عین ضرورت اور حکمت پر مبنی تھی۔ ابتدائی مسلمان تو اس فرق کی نوعیت و کیفیت سے بخوبی آگاہ تھے اس لئے نہ انہیں کبھی کوئی دقت پیش آئی اور نہ ان کے درمیان کبھی کوئی اختلاف پیدا ہوا۔ لیکن جب سراج نبوت سے بعد زمانی ہو گیا اور دوسرے یہ کہ اسلام دور دور عجم میں پھیل گیا جو عربی زبان کی باریکیوں سے ناواقف تھے تو اختلافات نے جنم لینا شروع کر دیا۔ جس علاقہ کے لوگوں تک جو قرأت پہنچتی وہ اسی کو صحیح یقین کر کے تلاوت کرتے۔ پھر اگر کسی موقعہ پر مختلف علاقوں سے لوگ اکٹھے ہوتے اور ایک دوسرے کو مختلف طرز سے تلاوت کرتے سنتے تو اسے غلط قرار دیتے۔ یا اگر مختلف اساتذہ کے شاگرد اکٹھے ہوتے تو ایک دوسرے کو غلط قرار دیتے۔ ہوتے ہوتے یہ نوبت اساتذہ کے باہمی اختلاف تک جا پہنچی۔ حتی کہ یہ اختلاف اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ قرآن مجید کی صحت سے عشق یا اپنی قرأت کے تفوق کے خیال سے ایک دوسرے کو کافر قرار دینا شروع کر دیا۔

(فتح الباری۔ جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۸)

یہ واقعات خلافت ثالثہ یعنی حضرت عثمانؓ کے دور کے ہیں۔

اسی زمانہ میں ایک لشکرِ اسلامی میں بھی ایسا ہی اختلاف ہو گیا حضرت حذیفہؓ بن یمان امیر لشکر تھے۔ لشکر میں اہل شام و اہل عراق شامل تھے۔ دونوں علاقوں کے لوگوں تک الگ الگ قرآءت پہنچی تھی اور یہ اپنی اپنی قراءت کے مطابق تلاوتِ قرآن کرتے تھے۔ اختلاف اتنی شدت اختیار کر گیا کہ حضرت حذیفہؓ جب مدینہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس حاضر ہوئے تو عرض کی کہ اے امیر المومنین! اس امت کو اس سے قبل سنبھال لیجئے کہ یہ آپس میں اپنی الہامی کتاب میں یہود و انصاریٰ کی طرح اختلاف کر بیٹھیں۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن)

## حضرت عثمانؓ کا عظیم کارنامہ

اس پر حضرت عثمانؓ نے لوگوں کو جمع کر کے خطاب فرمایا۔

جس میں فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی تلاوت میں اختلاف کی خبریں ملی ہیں۔ ایک شخص دوسرے سے اپنی قرأت کو افضل اور احسن قرار دیتا ہے حالانکہ یہ اختلاف مقدماتِ کفر میں سے ہے۔ اس پر لوگوں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! پھر آپ کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا: میری رائے یہ ہے کہ تمام امت کو ایک ہی قرأت پر جمع کر دیا جائے تا کہ نہ کوئی فرق رہے اور نہ کوئی اختلاف پیدا ہو۔ تمام حاضرین نے حضرت امیر المومنین کی اس رائے کو بہترین حل قرار دے کر قبول کیا۔

اس موقع پر آپؓ نے صحابہ رسول ﷺ کو خصوصیت سے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: یا اصحاب محمد! اجتمعوا فاکتبوا للناس اماما۔ یعنی اے صحابہ محمد ﷺ اکٹھے ہو کر امت کے لئے ایک معین مقرر قرأت والا نسخہ قرآن لکھ دو۔

(الاتقان فی علوم القرآن۔ جزو اول صفحہ ۶۱)

خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے دوسرا عظیم الشان فیصلہ اس موقعہ پر یہ فرمایا کہ قرآن مجید کی مختلف قرأتوں میں سے صرف قریش کی قرأت برقرار رکھی جائے بقیہ تمام قرائتیں

ختم کر دی جائیں۔ دلیل یہ تھی کہ قرآن انہیں کی "لغت" یعنی اسلوب اور محاورہ زبان کے مطابق نازل ہوا تھا۔ آپ نے تمام حالات کا جائزہ لے کر مناسب سمجھا کہ ابتداء میں عرب قبائل کے ایک دوسرے کے محاورہ سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنی اپنی "لغت" کے مطابق تلاوتِ قرآن کی جو سہولت دی گئی تھی اب اس کی وجہ ختم ہو جانے کے باعث اس کی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔

(محاسن التاویل (تفسیر القاسمی) جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۹۱)

## "الامام" کی کتابت

صرفِ "قرأتِ واحدہ" یعنی لغتِ قریش کے مطابق نسخہ قرآن (جس کے لئے حضرت عثمان نے "الامام" کا لفظ استعمال فرمایا) لکھنے کا فیصلہ ہو گیا تو اگلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ کام کیا کس طرح جائے۔

اس بارہ میں بخاری میں لکھا ہے۔

"حضرت ابوبکرؓ نے جو ایک جلد میں نسخہ قرآن تیار کروایا تھا وہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد آپ کی صاحبزادی ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس تھا۔ حضرت عثمانؓ نے انہیں پیغام بھیجا کہ وہ نسخہ عاریتاً دے دیں۔ ہم اس کی نقلیں بنوا کر واپس کر دیں گے۔ حضرت حفصہؓ نے وہ نسخہ بھجوا دیا۔ پھر عثمانؓ نے چار صحابہ حضرت زیدؓ بن ثابتؓ، حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ، حضرت سعیدؓ بن العاص اور حضرت عبدالرحمن بن حارثؓ کو مقرر فرمایا (ان چاروں میں سے صرف حضرت زیدؓ انصاری ہیں۔ بقیہ تینوں اصحاب قریش ہیں۔ ناقل) حضرت عثمانؓ نے انہیں فرمایا کہ اگر کسی لفظ کو لکھنے کے انداز میں اختلاف ہو جائے تو قریش کے اندازِ تحریر کے مطابق لکھنا کیونکہ قرآن انہیں کی زبان اور محاورہ کے مطابق اترا ہے۔ پھر جب نسخے تیار ہو گئے تو حضرت عثمانؓ نے وہ نسخہ واپس حضرت حفصہؓ کو بھجوا دیا۔

(بخاری۔ کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن)

کسی لفظ کو لکھنے میں اختلاف کی مثال یہ ہے کہ جب سورہ البقرہ کی آیت ان آیۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت کو لکھنے لگے تو حضرت زیدؓ نے (جو انصاری تھے) کہا کہ اسے گول تاء سے التابوۃ لکھا جائے جبکہ قریش اسے لمبی تاء سے لکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے مندرجہ بالا ارشاد کی روشنی میں اسے لمبی تاء سے التابوت لکھا گیا۔

اگر کسی آیت کو لکھنے کے بارہ میں اختلاف ہو جاتا تو اس کی جگہ خالی چھوڑ دی جاتی اور کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جاتا جس نے وہ حصہ خود رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہو۔ اگر وہ تین تین دن کی مسافت پر بھی ہوتا تو اسے بلوایا جاتا اور پھر اس کے کہنے کے مطابق لکھا جاتا۔

(الجامع الاحکام القرآن جلد نمبر ۱ صفحہ ۵۴)

حضرت عثمانؓ کے اس عظیم کارنامہ کے بارہ میں علامہ زرکشی نے امام بیہقی کا یہ قول نقل کیا ہے:

"یہ تمام کام حضرت عثمانؓ ہی کی اکیلی رائے سے نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ کی کثیر تعداد کے مشورہ سے ہوا۔ ان صحابہ میں انصار و مہاجرین سب شامل تھے۔"

(البرھان علوم القرآن۔ جزو اول صفحہ ۲۳۹)

چونکہ متعدد نسخے تیار کئے جانے تھے اس لئے حضرت عثمانؓ نے اس کام پر انصار و مہاجرین صحابہ میں سے بارہ افراد مقرر کئے تھے۔

(کتاب المصاحف جزو اول صفحہ ۲۵)

ان بارہ اصحاب میں سے گیارہ کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ جن میں سے چار نام اوپر بخاری کے حوالہ سے بیان ہو چکے بقیہ سات نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت ابی بن کعبؓ
۲۔ حضرت کثیر بن افلح
۳۔ حضرت انس بن مالکؓ
۴۔ حضرت انس کے دادا حضرت مالکؓ بن ابی عامر
۵۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ
۶۔ حضرت ابان بن عثمانؓ

۷۔ حضرت عبداللہ بن فطیمہؓ

(کتاب المصاحف جزو ثانی صفحہ ۳۳، فتح الباری جلد نمبر ۹ صفحہ ۱۹)

ان افراد کو مقرر کرتے وقت حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ سب سے اچھا لکھنے والا کون ہے؟ بتایا گیا: زید بن ثابتؓ۔ پھر پوچھا: سب سے فصیح کون ہے؟ بتایا گیا: سعیدؓ بن العاص۔ اس پر ان دونوں کو اس کام پر مقرر کیا گیا۔ اور ایک روایت کے مطابق حضرت سعیدؓ کا لہجہ اور تلفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مشابہ تھا۔

(فتح الباری۔ حوالہ مذکور)

☆اس موقعہ پر جو قرآن کریم کے جو نسخے تیار کروائے گئے ان کی تعداد کتنی تھی؟

روایات سے یہ تعداد چار سے آٹھ تک بیان ہوئی ہے مگر اکثر مستند روایات سے یہ تعداد سات معلوم ہوتی ہے۔ حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے بھی ان کی تعداد سات ہی لکھی ہے۔

(کتاب المصاحف جزو ثانی صفحہ ۳۴، دیباچہ تفسیر القرآن صفحہ ۲۷۰)

حضرت عثمانؓ نے جو سات نسخے تیار کروائے ان میں سے ایک اپنے پاس رکھا اور باقی چھ اسلامی مملکت کے مختلف بلاد میں بھجوا دیئے اور حکم دیا کہ آئندہ سے انہیں کے مطابق قرآن مجید لکھا اور پڑھا جائے اور ان کے علاوہ دیگر تمام نسخہ ہائے قرآن جلا دیئے جائیں یا پھاڑ دیئے جائیں۔

(بخاری کتاب فضائل القرآن۔ باب جمع القرآن)

(کتاب المصاحف جزو ثانی صفحہ ۳۴)

امت نے اپنے خلیفہ راشد کے اس فیصلہ پر ایسا صاد کیا کہ اب عام امت دیگر چھ قرأتوں کو بھول ہی گئی ہے اور قرآن کو "لغت قریش" کے مطابق لکھا اور پڑھا جا رہا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن جریر طبری لکھتے ہیں:

"امام المسلمین وا امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ نے جب امت کو ایک مصحف سے اور ایک ہی طرز سے تلاوت قرآن پر جمع کیا تو امت نے آپ کے اس عمل کی اطاعت میں ہی اپنی رشد و ہدایت دیکھی اور دیگر چھ قرأتوں کو ایسا ترک کیا کہ وہ اب اس طرح مٹ چکی ہیں کہ اب ان کی بابت (عام آدمی کو) کوئی علم نہیں رہا......... اس لئے اب مسلمانوں کے لئے جائز نہیں رہا کہ ان کے ہمدرد اور خیر خواہ امام نے ان کے لئے جو قرأت منتخب کی تھی اسے چھوڑ کر کسی اور طرز سے تلاوت کریں۔"

(جامع البیان۔ (تفسیر طبری) جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۲)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی مختلف قرأتیں تھیں۔ ان پر ہمیں ان معنوں میں ہرگز کوئی اعتراض نہیں کہ وہ قرائتیں ثابت شدہ ہیں اور بعض معانی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ ان سے استفادہ کی حد تک تو بالکل جائز اور درست ہے۔ مگر علماء کے حوالوں سے اگر ایسی قرائتیں درست معلوم ہوں جو اس قراءت سے مختلف ہیں جو کل عالم میں ایک خاص قرأت کے طور پر رواج پا چکی ہے اور امت واحدہ کی ایک نشانی بن گئی ہے اور قرآن کریم کو ایک وحدت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے تو یہ رجحان خطرناک ہے.........

خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم کو ایک وحدت پر اکٹھا فرمایا ہے یہ اتفاقی حادثہ نہیں۔ یاد رکھیں کہ قرآن کی جمع و تدوین میں کوئی بھی اتفاق نہیں ہے۔ جھوٹے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔ حیرت انگیز طور پر قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے ایک عالمی وحدت اس طرح عطا فرمائی ہے کہ ان تمام قراءتوں کو بھی نظروں سے غائب کر دیا جو مختلف قرائتیں تھیں سوائے اس کے کہ علماء کھوج لگا کر انہیں معلوم کریں۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۶ جولائی ۱۹۹۳ء بمقام البیت الفضل لندن)

## اجمالی تعارف

☆ (ذیل کی معلومات کا اکثر حصہ البرہان فی علوم القرآن، الاتقان فی علوم القرآن، ضمیمہ معجم المفہرس لالفاظ القرآن، عرض

الانوار' رسالہ خالد فائل ۹۰۔ ۱۹۸۹ء اور سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر سے اخذ کیا گیا۔)

| | |
|---|---|
| ☆ قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد | 114 |
| ☆ قرآن مجید کی آیات کی تعداد | 6348 |
| ☆ قرآن مجید کے کلمات (الفاظ) کی تعداد | 86430 |
| ☆ قرآن مجید کے حروف کی تعداد | 313565 |
| ☆ قرآن مجید کے رکوع کی تعداد | 548 |
| ☆ قرآن مجید کے اجزاء (پاروں) کی تعداد | 30 |
| ☆ قرآن مجید کے احزاب (منزلوں) کی تعداد | 7 |

☆ قرآن مجید کی پہلی وحی سورہ العلق کی ابتدائی آیات اقرء باسم ربک......علم بالقلم ہے اور آخری وحی (اکثر اور مستند روایات کے مطابق) سورۃ البقرہ آیت نمبر 282 واتقوا یوماً ترجعون فیه الی الله......ہے۔

☆ قرآن مجید کا زمانہ نزول بائیس سال پانچ ماہ اور چودہ دن ہے۔

☆ حروف کی گنتی کے اعتبار سے قرآن مجید کا نصف سورہ الکهف آیت نمبر 20 کے لفظ ولیتلطف کے فاء پر ہوتا ہے۔

☆ طویل ترین سورہ' سورۃ البقرہ اور مختصر ترین سورۃ الکوثر ہے۔

☆ حروف کی تعداد کے اعتبار سے طویل ترین آیت سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 283 ہے۔ جسے آیت دین (قرضہ کے احکام والی آیت) کہتے ہیں اور مختصر ترین آیت حروف مقطعات کو چھوڑ کر والفجر اور والعصر وغیرہ ہیں۔

☆ طویل ترین کلمہ (لفظ) سورۃ الحجر آیت نمبر 23 کا لفظ اسقین اکموہ ہے۔

☆ سورتوں اور آیت کی تقسیم اور حد بندی الہام الٰہی سے ہوئی۔ جبکہ احزاب (منزلوں) اور اجزاء (پاروں) اور رکوع کی تقسیم صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ کے بعض ارشادات کی روشنی میں کی اور امت نے اسے قبول کیا۔ (عرض الانوار صفحہ ۶۳)

☆ قرآن مجید کے احزاب یعنی منزلیں سات ہیں۔ یہ تقسیم قرآن مجید کی تلاوت کا دور ایک ہفتہ میں مکمل کرنے کی غرض سے ہے۔ ان سات منزلوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ سورۃ الفاتحہ کے علاوہ پہلی یعنی البقرہ تا النساء
۲۔ اگلی پانچ سورتیں یعنی المائدہ تا التوبۃ
۳۔ اگلی سات سورتیں یعنی یونس تا النحل
۴۔ اگلی نو سورتیں یعنی بنی اسرائیل تا الفرقان
۵۔ اگلی گیارہ سورتیں الشعراء تا یسین
۶۔ اگلی تیرہ سورتیں الصافات تا الحجرات
۷۔ ساتویں منزل میں بقیہ تمام حصہ قرآن یعنی سورۃ ق تا سورۃ الناس شامل ہے۔

منزلوں کی یہ تقسیم صحابہ کرام میں آنحضرت ﷺ کے حیاتِ مبارکہ میں ہی مروج تھی۔ (مسند احمد بن حنبل جلد نمبر ۴ صفحہ ۹)

اجزاء یعنی پاروں کی تقسیم ایک حدیثِ نبوی کی روشنی میں صحابہ کرام سے ہی ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ان کا روزمرہ کا معمول معلوم کرنے کے بعد فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کا دور ایک مہینہ میں مکمل کیا کرو۔ (بخاری' کتاب فضائل القرآن' باب فی کم یقرء القرآن)۔ نیز رمضان المبارک میں تلاوتِ قرآن کا کم از کم ایک دور مکمل کرنا مستحب سمجھا جاتا ہے۔ بنا بریں روایت ہے کہ حضرت عثمانؓ نے جب اپنے دور میں قرآن مجید کے متعدد نسخے لکھوائے تاکہ مملکتِ اسلامیہ کے مختلف بلاد میں بھجوائے جائیں تو ان تمام نسخوں کو تیس تیس اجزاء میں (یعنی ایک مہینہ کے دنوں کی تعداد کے برابر) لکھوایا تاکہ ہر روز ایک جزو کی تلاوت کرنے سے ایک مہینہ میں تلاوتِ قرآن کا دور مکمل ہو جائے۔

(عرض الانوار صفحہ ۶۶)

قرآن کی آیات کی تقسیم اور حد بندی جو وحی الٰہی سے ہوئی تھی اس سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو بوضاحت آگاہ فرما دیا۔ چنانچہ اسی حد بندی کے مطابق ہی نمازوں اور دیگر اوقات میں تلاوت قرآن کی جاتی تھی گو ابتداء میں تحریر میں اس کے لئے کوئی نشانی شامل نہیں کی

گئی تھی۔ آیت کی موجودہ علامت، جو گول دائرہ ہے (O) ، حجاج کے زمانہ میں قائم ہوئی۔

بعض صحابہ نے ہر پانچ اور ہر دس آیات قرآن کے حاشیہ پر علامات قائم کر رکھی تھی اسے اصطلاحاً "تخمیس" اور "تعشیر" کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ کے عہد کے جو نسخے موجود ہیں ان میں دس آیات کے بعد حاشیہ پر نشانی لگی ہوئی ہے۔

(عرض الانوار صفحہ ۶۶۔۶۷)

رکوع کی تقسیم کے بارہ میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام حجاج کے زمانہ میں ہوا۔ مگر بعض روایات یہ بھی ملتی ہیں کہ یہ تقسیم بھی حضرت عثمانؓ نے ہی کی تھی۔ (عرض الانوار صفحہ ۶۶)

امام ابو عمرو عثمان الدانی (متوفی ۴۴۴ھ) جو اندلس کے کبار علماء میں شمار ہوتے ہیں ان کا قول ہے کہ یہ کام صحابہ کر چکے تھے۔

(الجامع لاحکام القرآن (تفسیر القرطبی) جزو نمبر ا صفحہ ۶۴)

## قرآن مجید کے اعراب و حرکات

حضرت علیؓ نے اپنے دور خلافت میں نحو (یعنی عربی گرائمر) کے چند قواعد بتا کر اپنے ایک گورنر ابو الاسود دؤلی کو ارشاد فرمایا کہ اس کے مطابق اور ضروری قواعد وضع کرو (تاریخ الخلفاء حالات حضرت علی صفحہ ۲۲۸) اس سے قبل حضرت عثمانؓ انہیں کو قرآن مجید پر اعراب لگانے کا حکم دے چکے تھے تا غیر عرب بھی قرآن کو بسہولت اور صحیح پڑھ سکیں مگر وہ انتظام حکومت میں مصروف رہنے کی وجہ سے تعمیل نہ کر سکے۔ ۴۰ھ میں امیر معاویہ نے ابو الاسود کو بنی امیہ سے اختلافات رکھنے کی بناء پر انہیں معزول کر دیا۔ فراغت میسر آنے پر انہوں نے خلفاء کے ارشاد کی تعمیل میں ایک رسالہ قواعد نحو کے بارہ میں لکھا۔ اسی طرح قرآن مجید پر اعراب بھی لگائے۔ مگر یہ اعراب آج کل کے اعراب جیسی شکل نہ رکھتے تھے۔ بلکہ نقطوں کی صورت میں تھے۔ (عرض الانوار صفحہ ۷۳، ۷۴)

اس وقت تک قرآن خط کوفی میں لکھا جاتا تھا جس میں حروف پر نقطے نہیں ہوتے تھے مگر "د اور ذ" اور "ر اور ز" اور "س اور ش" کی طرز کتابت میں فرق تھا جس کو عرب بخوبی پہنچانتے تھے اور درست قرأت کرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں کے عہد میں قرآن مجید ایک ہی رسم الخط میں لکھا گیا۔ اور حضرت عثمانؓ کے عہد کے نسخے جو محفوظ ہیں وہ خط کوفی میں ہیں اور ان میں حروف پر نقطے نہیں۔

(سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر صفحہ ۲۸۱ اپریل ۱۹۷۰ء جلد ۱۴ شمارہ نمبر ۴)

65ھ میں حجاج بن یوسف نے یحی بن یعمر اور نصر بن عاصم کو مقرر کیا جنہوں نے حروف کے باقاعدہ نقطے وضع کئے جو آج تک جاری ہیں۔ اب صورت حال یہ تھی کہ حروف کے اپنے نقطے بھی تھے اور حرکات کی علامت کے طور پر نقطے پہلے لگائے جا رہے تھے۔ اس لئے ان دونوں میں فرق رکھنے کے لئے جو نقطے حرکات کی علامت کے طور پر تھے انہیں سرخ روشانی سے لکھا جاتا اور حروف کے اپنے نقطے سیاہ روشنائی سے لکھے جاتے۔

(سیارہ ڈائجسٹ جلد سوم صفحہ ۲۸۲ حوالہ مذکور)

پھر بنو عباس کے زمانہ میں (غالباً خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں) مشہور نحوی عالم خلیل بن احمد (متوفی ۱۷۵ھ) نے اہم خدمات سرانجام دیں۔ اس نے ہمزہ اور شد کی علامت مقرر کرنے کے علاوہ بنیادی کارنامہ یہ سرانجام دیا کہ حرکات (زیر، زبر، پیش) کی وہ شکل ایجاد کی جو آج بھی جاری ہے۔ (الاتقان جلد ۲ صفحہ ۵۴۰)

خط یعنی کتابت کے انداز کی تاریخ میں عباسی وزیر ابن مقلہ (متوفی ۳۲۸ھ) نے بڑی اہم کامیابی حاصل کی۔ اس نے خط نسخ ایجاد کیا۔ یہ خط بہت سادہ، واضح اور آسان ہے۔ اس طرح چوتھی صدی ہجری کے اواخر اور پانچویں صدی کے آغاز میں خط کوفی متروک ہو گیا اور اس کی جگہ خط نسخ نے لے لی۔

ساتویں صدی میں امیر علی تبریزی نے خط نسخ میں مزید اصلاح کر کے نیا خط۔ خط نستعلیق ایجاد کیا۔ یہ دونوں خط اب بھی مقبول اور مستعمل ہیں۔ (بحوالہ سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد سوم صفحہ ۲۸۴)

قسط دوم

ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

# خزانے تقسیم کرنے والا ــــــ امام مہدی

## پانچ لاکھ روپے کے انعامات کی تفصیل

(تحریر و ترتیب : سید مبشر احمد ایاز مدیر "خالد")

السلام کی عربی تحریرات تو غلطیوں سے بھری پڑی ہیں۔

پھر حضور قرآن مجید پر اعتراض کرنے والوں سے مخاطب ہوتے ہیں کہ لاؤ بڑے بڑے اعتراض پیش تو کرو اگر جواب نہ ملے' وہ اعتراض ختم نہ ہو تو پچاس روپے فی اعتراض دیئے جائیں گے اب فرض کریں ایک سو اعتراض بھی پیش کریں تو پانچ ہزار روپے تو یہ ہو جاتے ہیں۔

پھر مولوی ثناء اللہ امرتسری صاحب جو یہ کہتے ہیں کہ حضور کی کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ قادیان آؤ اور پیشگوئی ایک ایک کر کے میں پیش کرتا ہوں جو پیشگوئی پوری نہ ہو تو سو روپے فی پیشگوئی دوں گا۔ حضور نے یہ پیشگوئیاں مختلف کتب میں درج بھی فرمائی ہیں مثلاً نزول المسیح' تریاق القلوب اور حقیقۃ الوحی وغیرہ۔ حقیقۃ الوحی میں حضور نے دو سو سے زائد پیشگوئیاں لکھی ہیں۔ اب ثناء اللہ امرتسری صاحب کے پاس بیس ہزار روپیہ تو آہی جاتا۔ تو اس اعتبار سے -/182 روپے دراصل تیس چالیس ہزار روپے تک چلے جاتے ہیں۔

لیکن اس مضمون میں رقم صرف -/182 روپے ہی شمار کی گئی ہے تو اس طرح اس ایک سو بیاسی کو گزشتہ رقم میں جمع کریں تو یہ رقم ہوتی ہے۔ ایک لاکھ باسٹھ ہزار نو سو انتہر روپے پچاس پیسے۔

ج : تیسری ایک بہت بڑی رقم ہے جو حضور نے پیغام صلح میں ذکر کی ہے اور وہ ہے تین لاکھ روپے۔ تو اس کو شامل کریں تو چار لاکھ باسٹھ ہزار نو سو انہتر روپے پچاس پیسے بنتی ہے۔

د : لیکن ابھی ایک اور حساب رہتا ہے اور وہ یہ کہ اس مذکورہ بالا رقم کے علاوہ کچھ انعامی رقوم وہ ہیں جن کو حضور نے ہندسوں میں معین نہیں کیا۔ مثلاً "کسی قدر روپیہ"۔ "رقم کثیر" اور "کل جائیداد"۔ اس اعتبار سے تیس پچاس ہزار روپے اس کے بھی بن جاتے ہیں اور یوں پانچ لاکھ سے کہیں زائد رقم بن جاتی ہے۔

د : اور یہ تو حساب ہے صرف حضور کے زمانے تک کا بعد میں

### ☆...... کسی قدر انعام

قرآن اور وید کے معارف لکھنے پر مقابلہ 'اس پر حضور نے آریہ مضمون نگار کو "کسی قدر" انعام کا کہا۔

(سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۴۶ ۲۴۸ روحانی خزائن جلد ۲ صفحہ ۲۹۶۔۲۹۸)

### ☆...... "کل جائیداد"

ڈاکٹر مارٹن کلارک سے مباحثہ اور مباحلہ ہو صرف آسمانی نشان کے لئے دعا کی جائے اور اگر سال میں کوئی نشان ظاہر نہ ہو تو نصف جائیداد' حضور نے پھر نصف کی بجائے "کل جائیداد" دینے کی پیشکش کی۔

(حجۃ الاسلام صفحہ ۸' صفحہ ۳۰ روحانی خزائن جلد ۶ صفحہ ۴۸'

(۷۰

☆...... رقم کثیر

ایک عیسائی کو مخاطب کر کے لکھا جس قدر راستی اور سچ بولنے کی تعلیم قرآن میں ہے انجیل میں بھی اس کا ہونا ثابت کرو تو رقم کثیر انعام پاؤ۔

(نور القرآن نمبر ۲ صفحہ ۲۷، روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۰۲)

قارئین کرام آپ نے ابھی جن انعامات کی تفصیل پڑھی ان انعامات کی مجموعی رقم پانچ لاکھ روپے سے بھی اوپر نکل جاتی ہے اس کے لئے اس کو کئی پہلوؤں سے دیکھنا ہوگا۔

الف: وہ رقم جو حضور کی طرف سے معین کی گئی وہ ایک لاکھ باسٹھ ہزار سات سو ستاسی روپے پچاس پیسے بنتی ہے۔

ب: دوسری رقم وہ ہے جو بظاہر تو ایک سو بیاسی روپے بنتی ہے مثلاً -/25 روپے فی آیت، -/50 روپے فی اعتراض، -/5 روپے فی غلطی اور -/100 فی پیشگوئی جو غلط ثابت ہو لیکن دراصل یہ رقم ہزاروں سے متجاوز کر جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ اس وقت کے علماء کو دیکھیں تو وہ یہ شور ڈالتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ خلفائے سلسلہ نے گاہے گاہے ان انعامی رقوم میں سے بعض کا ذکر کرتے ہوئے بڑھایا بھی۔ مثال کے طور پر صرف ایک کا ذکر ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بصرہ العزیز نے مسیح کے زندہ آسمان پر جانے اور پھر آنے کو ثابت کرنے پر ایک کروڑ روپے کا چیلنج دیا۔ تو اس حساب سے یہ رقم آج کے زمانے میں تو کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے اور اس طرح بھی کہ ایک روپے کی قیمت میں اس زمانے میں کیا ہوگی تو اس حساب سے اب بہت زیادہ رقم ہو جاتی ہے۔

یہ تو مختصر ذکر تھا آئندہ اقساط میں ان کی تفصیل آپ کی خدمت میں پیش کی جائے گی تاکہ ہماری آنے والی نئی نسلوں کو یہ پتہ چلے کہ حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ السلام نے کس طرح ہر ایک میدان میں اور ہر ایک پہلو سے تمام مخالفین اسلام اور تمام مکذبین و مکفرین پر اتمام حجت کی اور ان کو مقابلے کے لئے للکارا اور جرات دلائی کہ آؤ۔ آؤ میرے مقابل پر تا اسلام قرآن اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سچائی کا لوہا دنیا سے منوایا جا سکے۔

# ایام نوبہار - رمضان المبارک

## روزوں کی اہمیت و فرضیت اور برکات کا تذکرہ

(تحریر و ترتیب:۔ سید مبشر احمد ایاز۔ مدیر خالد)

اہل لغت کہتے ہیں اس ماہ کا نام رمضان اس لئے پڑ گیا ہے کہ پہلی بار جب روزے فرض ہوئے تو یہ موسم گرما میں آیا تھا لیکن اس کا حقیقی مفہوم اس سے کہیں بلند تر ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا سُمِّیَ رَمَضَانُ لِاَنَّ الذُّنُوْبَ تَرْمَضُ فِیْہِ کہ اس ماہ کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا ہے کہ اس میں گناہ جل جاتے ہیں اور حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔

اِنَّمَا سُمِّیَ رَمَضَانَ لِاَنَّ رَمَضَانَ تَرْمَضُ الذُّنُوْب کہ رمضان کا نام رمضان اس لئے رکھا گیا ہے کہ یہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔ (جامع الصغیر)

پھر رمضان کے معنی اس روحانی حرارت کے بھی ہیں جو روزوں کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود فرماتے ہیں۔

"رمضان سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل و شرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کیلئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۲۰۹)

### احادیث نبویہ سے فضائل رمضان

سیدنا حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ نے نہ صرف رمضان کے فضائل، اس کی اہمیت اور رمضان سے استفادہ کے نہایت قیمتی گر بتائے ہیں بلکہ ان نتائج اور ثمرات کا بھی حسین نقشہ کھینچا ہے جو رمضان سے وابستہ ہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام رمضان بھی ہے۔ آنحضرت ﷺ جس طرح اللہ تعالیٰ کی باقی تمام صفات کے مظہر اتم بنے اسی طرح رمضان کی اپنے قول و عمل سے آپ نے جو تصویر پیش کی اس میں بھی آپ کل انبیاء میں منفرد و افضل اور لاشریک ہیں۔

حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان المبارک کا ذکر فرمایا اور اسے تمام مہینوں سے افضل قرار دیا اور فرمایا جو شخص اس مہینہ میں حالت ایمان میں ثواب اور احتساب سے عبادت کرتا ہے وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اس روز تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا۔

(نسائی کتاب الصوم)

یہ ماہ کیسی عظیم الشان برکتیں اپنے دامن میں لئے ہوئے آتا ہے اور کن مصائب سے بچاتا ہے اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ جب رمضان آتا ہے۔ جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور جہنم کے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیطان جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں آیا ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری و مسلم) اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ایک اعلان کرنے والا اعلان کرتا ہے کہ اے بھلائی کے چاہنے والے آ اور آگے بڑھ اور اے برائی کے چاہنے والے رک جا اور اللہ کیلئے بہت سے لوگ آزاد کئے جاتے ہیں اور رمضان کی ہر ایک رات کو ایسا ہوتا ہے۔ (ترمذی)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اس حدیث کی لطیف تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"سوال یہ ہے کہ خواہ وہ آسمان کے دروازے ہوں یا جنت کے ان دروازوں سے کیا مراد ہے اور جو دروازے بند کئے جاتے ہیں وہ

جہنم کے کونسے دروازے ہیں اور کس قسم کی زنجیریں ہیں جن میں شیطان جکڑا جاتا ہے ایک بات تو قطعی ہے کہ اس کے عمومی معنی درست نہیں کیونکہ جہاں تک رمضان کے مہینے کا تعلق ہے اس مہینہ میں دنیا کی بھاری اکثریت پہلے کی طرح فسق و فجور میں مبتلا رہتی ہے اور رمضان کی قطعاً پرواہ نہیں کرتی۔ پس یہ کہنا کہ اس مہینہ میں شیطان جکڑا جاتا ہے یا رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں...... یہ دراصل حدیث کے مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا اذ دخل شھر رمضان "کہ جب شہر رمضان داخل ہو جاتا ہے تو اس سے یہ مراد نہیں کہ بالعموم ساری دنیا پر برکتیں لے کر آتا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کا مہینہ وہاں برکتیں لے کر آتا ہے جہاں جہاں وہ داخل ہوتا ہے۔ اور جس انسان کے وجود میں رمضان کا مہینہ داخل ہو جائے گا اس کے جہان میں نیک تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ یعنی وہ انسان جو اپنے آپ کو رمضان کے تابع کر دے گا تو گویا رمضان المبارک اپنی ساری برکتوں کے ساتھ اس انسان میں داخل ہو گا۔ ایسے انسان کے جہان میں جو بھی جنت کے دروازے ہیں وہ سارے کھل جائیں گے اور جہنم کے جتنے دروازے ہیں بند کر دیئے جائیں گے۔" (خطبہ جمعہ فرمودہ ۳۰ مئی ۱۹۸۶ء)

## روزہ کی جزا

ہر کام اپنے نتیجے اور انجام کے مطابق اہمیت رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے بھی روزہ اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارا رب فرماتا ہے کہ ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ہے اور روزہ کی عبادت تو خاص میرے لئے ہے اور میں خود اس کی جزا دوں گا یا میں خود اس کا بدلہ ہوں اور روزہ آگ سے بچانے کے لئے ڈھال ہے اور روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی ابواب الصوم)

رمضان کے مبارک مہینے کو عبادتوں سے ایک خاص تعلق ہے۔ بلکہ عبادتوں کی معراج اگر رمضان کو کہا جائے تو مبالغہ نہیں ہے۔ اور روزہ تو عبادتوں کا دروازہ ہے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ "ہر چیز کا ایک دروازہ ہوتا ہے اور عبادت کا دروازہ روزے ہیں" (جامع الصغیر)

انہی عبادات کے نتیجہ میں اللہ کے فضل سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا قرب اور اس کا لقا نصیب ہوتا ہے جو روزے کا اصل مقصد اور انسانی پیدائش کا بھی اصل مقصد ہے اور پھر کیا ہی اچھا ہو رمضان کے نقوش بجالانے والی یہ عبادات ایسے گہرے نقوش پیدا کر جائیں اور عبادات کی ایسی عادتیں راسخ ہو جائیں کہ سارا سال نقوش کا یہ جشن جاری رہے اور آنحضرت ﷺ کی وہ حدیث اپنی پوری شان میں ہماری زندگیوں میں جلوہ گر ہو کہ جس میں آنحضور ﷺ نے فرمایا "ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کے کفارہ کا ذریعہ بن جاتا ہے" اور دار قطنی کی ایک حدیث ہے کہ

اِذَا سَلِمَ رَمَضَانُ سَلِمَتِ السَّنَةُ کہ جب رمضان سلامتی سے گزر جائے تو سمجھو کہ سارا سال سلامت ہے۔

پس اس سارے سال کی سلامتی کو اپنے حق کیلئے محفوظ کریں اور رمضان کو اس کے مطابق گزاریں جس طرح کہ حق ہے۔ رمضان کی عبادتوں کو ان کی شرائط کے مطابق بجالائیں۔ اب ایسی عبادتوں کا ذکر کرنا مقصود ہے جو اجتماعی رنگ بھی اپنے اندر لئے ہوئے ہیں اور یہ اجتماع نقوش بھی ہے کہ ایک ہی مہینہ میں یہ اکٹھی نصیب ہوتی ہیں۔ ان میں سے ایک قیام اللیل یعنی نماز تہجد ہے۔ دوسری اعتکاف ہے اور تیسری لیلۃ القدر کی عبادت ہے۔

---

صفحہ 30 سے آگے

ہی رہوں۔ ذرا اس شعر پر غور کریں۔

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ میرا یہی ہے

الغرض آپ کا منظوم فارسی کلام اپنے اندر لاجواب معارف و محاسن رکھتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ اول سے آخر تک آپ کا فارسی کلام دینی تعلیمات اور قرآنی حقائق کا نچوڑ ہے تو درست ہو گا۔

مذکورہ تین عنوانوں کے علاوہ دیگر عنوان بھی اظہار خیال کا تقاضا کرتے ہیں۔ مگر اب انہی گزارشات پر اس تحریر کو ختم کیا جاتا ہے۔ احباب بقیہ عنوانات کا خود مطالعہ کر کے بہریاب ہوں۔

# حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم فارسی کلام



(مضمون نگار: مکرم محمد یعقوب امجد صاحب۔ کھاریاں)

"در کلام تو چیزے است کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

ترجمہ:۔ تیرے کلام میں ایک چیز ہے جس میں شاعروں کو دخل نہیں ہے۔ (تذکرہ صفحہ ۵۹۵)

شعر، شعور اور شاعری کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں شعراء کا عمومی ذکر ملتا ہے، اس کے ساتھ ہی مومن شعراء کا خصوصی تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ حضرت رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے پانچ خاص خوبیوں سے نوازا ہے۔ ان میں سے ایک کے متعلق فرمایا بعثت بجوامع الکلم اسی بنا پر آپ کو "افصح العرب" بھی کہا جاتا ہے۔ شعر کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔ ان من الشعرلحکمہ وان من البیان لسحرا آپ کے اس ارشاد سے ثابت ہوتا ہے کہ شعر پر حکمت ہو، تو مستحسن خیال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ جب ہم تاریخ اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کے دور سے آج تک شعراء اس پر حکمت کلام سے دین کی خدمت کرتے آئے ہیں۔ اکابر صحابہ کرام، اولیاء و صوفیاء سبھی اپنے اپنے وقت میں شعر سے وعظ و نصیحت کا کام لیتے رہے ہیں۔ شعراء کو "تلمیذ الرحمان" بھی کہا جاتا ہے اور ایک فارسی مقولہ بھی اس کی تصدیق کرتا ہے: "شاعری جزویست از پیغمبری" یہ مقولہ انہی شعراء پر صادق آتا ہے، جو قرآن مجید کے مطابق الا الذین امنوا (الشعراء) کے زمرے میں داخل ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی واضح طور پر اپنی شعر گوئی کی ضرورت کو اپنے ایک شعر میں بیان فرمایا ہے۔

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

خالد کے ایک گذشتہ شمارے میں قارئین کرام "اردو کلام" پر ایک مضمون پڑھ چکے ہیں۔ چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاماً فارسی الاصل قرار دیا گیا ہے اور خود حضرت مکی و مدنی آقا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے آنے والے مسیح کو "رجل فارس" اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی نسل سے قرار دیا ہے۔ اس لئے اس جبلی و طبعی رشتے کی بدولت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فارسی زبان پر بھی مادری زبان کی طرح عبور عطا کیا گیا۔ آپ نے فصیح فارسی زبان میں متعدد موضوعات پر اپنی تصنیفات کے دوران حسب ضرورت اردو و عربی کی طرح فارسی میں بھی ارتجالاً منظومات لکھی ہیں۔ ان منظومات کا مجموعہ بعنوان "درثمین" خاکسار کے سامنے ہے۔ اپنی بے بضاعتی اور ہیچ دانی کا اعتراف ہے۔ مگر ماہنامہ خالد کے مدیر محترم سید مبشر احمد ایاز صاحب کا اصرار ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریر کروں۔ چنانچہ انہی کی حوصلہ افزائی یہ لکھوا رہی ہے۔ ورنہ من آنم کہ من دانم

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا منظوم فارسی کلام، جو درثمین (فارسی) کے نام سے اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔ یہ عام کتابی سائز کے دو سو اسی ۲۸۰ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کلام معجز رقم اور بلاغت نظام پر کچھ لکھنے سے پہلے، اس کے مضامین کا ایک سرسری تعارف کرانے کے لئے ذیل میں وہ عنوانات درج کئے جاتے ہیں، جن پر یہ کلام مشتمل ہے۔ ان عنوانات سے قارئین کو یہ اندازہ لگانا بھی آسان ہو جائے گا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام ہر لحاظ سے رسمی شعراء سے ایک یکتا و

یگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ لیجئے عنوانات حاضر ہیں۔

۱۔ مناجات۔ ۲۔ نعت۔ ۳۔ ہمدردی خلق۔ ۴۔ نصیحت۔ ۵۔ بے ثباتی دنیا۔ ۶۔ مدح قرآن کریم۔ ۷۔ ضرورت الہام۔ ۸۔ نعت و مدح حضرت سیدنا و سید الثقلین محمد مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ ﷺ ۹۔ مرثیہ تفرقہ حالت اسلام۔ ۱۰۔ قصیدہ در معرفت انسان کامل، مظہر حق تعالیٰ و طریق فیصلہ با نزاع کنندگان۔ ۱۱۔ ایک نظم میں بے بثاتی دنیا کے ذکر کے بعد حضرت سید عبداللطیف صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ ۱۲۔ ایک نظم حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات حسرت آیات پر ان کے ذکر خیر پر مشتمل ہے۔ ۱۳۔ حضرت اقدس کی پرانی نظمیں۔ ۱۴۔ فریاد اہل دین حق۔ ۱۵۔ جگہ جگہ الہامی شعر اور الہامی مصرعوں کا اندراج ہوا ہے، جو بیسیوں تک پہنچتے ہیں۔

"درثمین" میں مطبوعہ فارسی کلام کا آغاز ۱۸۸۰ء میں "براہین احمدیہ" کی تصنیف کے ساتھ ہوتا ہے اور ۱۹۰۸ء تک چلتا ہے۔ مطبوعہ مجموعہ کلام، درثمین کے مطابق آخری شعر بھی ۱۹۰۸ء کا ہے اور وہ الہامی شعر ہے جو یہ ہے:-

طریق زہد و تعبد ندانم اے زاہد!
خدائے من، قدمم راند، بر رہ داؤد

اے زاہد! میں تیرے جیسا زہد و عبادت کا ریاکارانہ طریق نہیں جانتا۔ ہاں! مگر میرے خدا نے اپنے نبی داؤد علیہ السلام کی راہ پر میرا قدم چلایا ہے۔ یعنی مجھے انہیں جیسی عظمت و شوکت عطا فرمائی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک اردو شعر میں اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

اک شجر ہوں جس کو داؤدی صفت کے پھل لگے
میں ہوا داؤد اور جالوت ہے میرا شکار

مطبوعہ مجموعے میں اور بھی نظمیں اور اشعار ہیں مگر ان کی طباعت کی تاریخیں بتاتی ہیں کہ وہ پہلے سے کہی ہوئی ہیں، اگرچہ ان کی طباعت تاخیر سے ہوئی ہے۔ وجہ تاخیر ظاہر نہیں کی گئی۔ اس لئے یہ ناچیز بھی صرف قیاس آرائی سے کام لینے کو پسند نہیں کرتا۔

اوپر عنوانات کی جو فہرست درج کی گئی ہے ان میں ہر ایک عنوان سے متعلق متعدد منظومات ملتی ہیں۔ ان سب پر اس مختصر مضمون میں تبصرہ کرنا سعی لاحاصل ہے۔ اس لئے چند ایک عنوانوں پر اختصار سے تبصرہ کیا جاتا ہے۔ اس سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فارسی کلام کس پائے کا ہے؟ آپ نے اگرچہ سخن گوئی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا مگر آپ کے کلام میں بے ساختہ انداز میں جو جوہر چمکتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، انہی سے اہل نظر سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کا کلام سادگی کے باوجود پرکاری کا مرقع ہے۔ اب ذیل میں بعض عنوانوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

## مناجات

یہ ایک وسیع عنوان ہے۔ اس کے تحت شعر کہنے والا بارگاہ ایزدی میں جس انداز سے رازونیاز کرتا ہے وہ تو عیاں ہی ہے، مگر آپ نے اس عنوان کے تحت حمد رب العالمین، التجا و گریہ، شکر و سپاس، انعامات الٰہی کا شمار، احسانات خداوندی اور ہر اس خوبی کا ذکر کیا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات اپنا جلوہ اپنے بندوں کو دکھاتی ہے۔

مناجات کے مضمون پر مشتمل متعدد نظمیں ہیں مگر یہاں آپ کی پہلی ہی نظم کے بعض اشعار کو قارئین کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔ نظم کا آغاز اللہ تعالیٰ کی یکتائی و یگانگت کے ذکر سے ہوتا ہے۔ پہلا شعر یوں ہے۔

ہر دم از کاخ عالم آوازیست
کہ یکیش بانی و بنا سازیست

دنیا کے اس عظیم الشان قصر سے ہر لحہ یہ آواز آتی ہے کہ اس کی بنیاد رکھنے والا اور تعمیر کنندہ صرف ایک ہی ہے۔ یعنی دنیا کا بے نظیر نظام زبان حال سے اپنے بانی کی یکتائی و توحید کا اعلان

کر رہا ہے۔

اس نظم کے پچاس شعر ہیں۔ اس منظومہ کے مطالعے کے دوران جگہ جگہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ بے تکلفانہ انداز میں بعض آیات قرآنیہ کو شعر کا جامہ پہناتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ قاری جسے قرآن مجید کا ذوق ہو' وہ ان شعروں سے خوب حظ اٹھاتا ہے۔ اس لئے کہ جب بھی وہ کوئی ایسا شعر پڑھتا ہے تو اس سے متعلقہ آیت بھی اس کے لئے مستحضر ہو جاتی ہے۔ اس طرح شعر کا مضمون اس کے لئے دو آتشہ ہو جاتا ہے۔ لیجئے چند شعر حاضر ہیں۔

گر شریکش بدے' زخلق دگر
گشتے' ایں جملہ خلق' زیر و زبر

اگر مخلوق میں سے کوئی دوسرا اس کائنات کی تخلیق میں اس کا شریک ہوتا تو یہ تمام مخلوق یعنی کائنات تہ و بالا ہو جاتی۔ گویا کائنات کے نظام کا تواتر سے قائم رہنا توحید کی دلیل ہے۔

قرآنی آیت ہے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا (انبیاء: ۲۳) شعر کے مضمون اور آیت کے معانی میں پوری پوری مطابقت اور ہم آہنگی ہے۔ نکتہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اگر مخلوق میں سے کوئی اور وجود اس کائنات کی تخلیق میں' اس واحد و یگانہ خدا کے ساتھ شامل ہوتا' تو اس کائنات کا نظام زیر و زبر ہو جاتا۔ یوں کہئے کہ اللہ کی توحید اور معبودان باطلہ کے رد پر یہ ایک قطعی دلیل ہے۔ اس دلیل کا منبع یقیناً اوپر درج کی گئی آیت ہے' مگر آپ نے جس برجستگی اور خوبی سے اس مضمون کو سادہ الفاظ میں شعر میں پیش کیا ہے۔ اس کی صفت سے کون انکار کر سکتا ہے؟

قرآن مجید میں چاند اور سورج کی گردش اور مقررہ منازل کا ذکر ملتا ہے۔ ارشاد ہے۔

والقمر قدرنہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم ٥ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر ولا الیل سابق النھار وکل فی فلک یسبحون ٥ (یسین: ۴۰'۴۱)

مذکورہ دو آیتوں کو آپ نے ذیل کے دو شعروں میں نہایت خوبصورتی سے باندھا ہے۔ شعر پڑھنے کے ساتھ ہی آیتوں کا مضمون حاضر ہو جاتا ہے۔

ماہ را نیست' طاقت ایں کار
کہ بتابد بروز' چوں احرار

چاند کو اس کام کی طاقت نہیں ہے کہ وہ دن کے وقت آزادوں کی طرح چمکتا دمکتا رہے۔ گویا چاند صرف رات ہی کو ایک نظام کے تحت اپنی چمک دکھاتا ہے اور اس میں بھی وہ آزاد نہیں ہے بلکہ اپنے خالق کے حکم کے تابع ہے۔

نیز خورشید را' نہ یارائے
کہ نہد بر سریر شب پائے

سورج کو بھی یہ یارا نہیں کہ وہ رات کے تخت پر قدم رکھے۔ یعنی رات کو طلوع ہو کر اس کے نظام میں خلل انداز ہو۔ گویا سورج بھی چاند کی طرح کائنات کے خالق کا تابع فرمان ہے۔

آپ نے اپنے اس منظومہ میں انسان کو واضح طور پر یہ تلقین فرمائی ہے کہ انسان کو اپنے واحد و یگانہ خدا سے تعلق پیدا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ اللہ ہی وہ ذات ہے جو انسان کا ہر کام بنانے والی ہے۔ اگر اس کے در کو چھوڑ کر کوئی انسان کسی اور راہ سے اپنے لئے عزت و آبرو تلاش کرتا ہے تو وہ انجام کار ذلت سے دوچار ہوتا ہے۔ دو تین شعر اس مضمون کو دیکھئے کس خوبی سے پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ "سہل ممتنع" کی بہترین مثال ہیں۔

ذات پاکت' بس ست' یار یکے
دل یکے' جاں یکے' نگار یکے

(اے خدا) تیری پاک ذات ہی (انسان کے لئے) کافی ہے۔ (یہ کیسی یکتائی ہے) کہ دوست ایک' دل ایک' جاں ایک اور محبوب بھی ایک ہے۔

ہر کہ راہت گرفت کارش شد
صد امیدے، بروز گارش شد

جس نے بھی تیری راہ پکڑی، اس کا کام بن گیا۔ زمانے کے ساتھ اس کی سینکڑوں امیدیں، جو وابستہ تھیں (تیرے طفیل) بر آگئیں۔

وانکہ از ظل قربت تو، رمید
بر در ہر کہ رفت، ذلت دید

اور جو بھی (بدبخت) تیری قربت کے سائے سے دور بھاگ گیا، وہ جس دروازے پر بھی گیا، اس نے ذلت و رسوائی ہی دیکھی۔

الغرض پچاس شعروں پر مشتمل "مناجات" جب انجام پذیر ہوتی ہے تو اس کے آخری چند شعر پڑھنے سے یہ تاثر گہرا ہو جاتا ہے کہ آپ نے جس وقت یہ منظومہ تحریر فرمایا اس وقت آپ مکمل مراقبے کی حالت میں تھے اس لئے کہ آخر میں قبولیت کے لئے خاص التجا کے رنگ میں شعر کہے ہیں۔

اے خداوند من! گناہم بخش!
سوئے درگاہ خویش، راہم بخش!

اے میرے مالک و آقا! تو میرے گناہ بخش دے۔ اور اپنے آستانہ کی طرف پہنچنے والی راہ مجھے عطا فرما۔

دل ستانی و دلربائی کن!
بہ نگاہے، گرہ کشائی کن!

تو میرے ساتھ دلستانی و دلربائی کا سلوک فرما (اور) اپنی ایک ہی نظر سے میری مشکل کشا فرما دے۔

در دو عالم، مرا عزیز توئی
وانچہ میخواہم از تو، نیز توئی

دونوں جہان میں اک تو ہی تو میرا عزیز اور پیارا ہے۔ اور جو کچھ میں تجھ سے مانگتا ہوں، وہ صرف تیری ہی ذات ہے۔ یعنی میں صرف تیری ہی ذات کا بھکاری ہوں۔

خاکسار نے مناجات کے عنوان کے تحت درج ہونے والی صرف پہلی ہی نظم کے بعض اشعار کا اوپر حوالہ دے کر ان کے تاثر کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ اس مضمون پر مشتمل متعدد منظومات ہیں جو مختلف اوقات میں لکھی گئی ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کچھ منتخب اشعار یہاں درج کئے جائیں۔ تاکہ قارئین اندازہ لگا سکیں کہ حضور اقدس نے کس کس انداز میں مناجات کا حق ادا کیا ہے اور کس کس انداز کے اشعار نظم فرمائے ہیں۔ جو لفظی و معنوی خوبیوں کا ایک بے نظیر مرقع ہیں۔

آں کیست کہ خفتہائے تو یافت؟
واں کو کہ شود محیط اسرار

وہ کون ہے؟ جس نے تیری انتہا کو پایا ہو اور وہ کون ہے؟ جو تیرے اسرار و رموز پر احاطہ پا گیا ہو۔ یعنی نہ کسی انسان نے تیری تجلیات کی انتہا کو پایا ہے اور نہ تیرے اسرار و رموز کا احاطہ کر سکا ہے۔ اس بیت میں استفہام انکاری کی صنعت نے شعر کو ممتاز کر دیا ہے۔

حسن تو غنی کند ز ہر حسن
مہر تو، بخود کشد ز ہر یار

تیرا حسن (انسان کو) ہر حسن سے بے نیاز کر دیتا ہے (اور) تیری محبت ہر دوست کی طرف سے (انسان کو) اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔

حسن نمکینت ار نہ بودے
از حسن نہ بودے ہیچ آثار

اگر تیرا حسن ملیح (اس کائنات میں) جلوہ افروز نہ ہوتا، تو (کائنات میں) حسن کے آثار بالکل ہی ظاہر نہ ہوتے۔ گویا کائنات کا حسن تیرے ہی جلوہ حسن سے مستعار ہے۔

شوخی زتو یافت، روئے خوباں
رنگے از تو گرفت گل بہ گلزار

محبوبوں کے چہرے نے تجھی سے شوخی (کی ادا) پائی ہے (اور) پھول نے باغ کے اندر تجھی سے رنگ پکڑا ہے۔ گویا کائنات کی ہر چیز کا حسن اللہ ہی کے حسن کا محتاج ہے۔

سیمیں ذقناں کہ سیب دارند
آمد زہماں بلند اشجار

سیمیں ذقن محبوب کہ جو سیب زنخداں کے مالک ہیں۔ ان کے یہ تمام (سیب زنخدان) انہی بلند و بالا درختوں سے حاصل ہیں، (جو قدرت نے پیدا کئے ہیں)

ایں ہر دو ازاں دیار آیند
گیسوئے بتاں و مشک تاتار

(اسی طرح) محبوبوں کے گیسو اور مشک تاتار بھی، دونوں اسی ملک و دیار سے آئے ہیں، (جنہیں قدرت نے پیدا فرمایا ہے)

مذکورہ اشعار میں اس مضمون کو کمال خوبی اور شعری محاسن کے ساتھ باندھا گیا ہے کہ حسن مجازی تمام تر حسن حقیقی سے مستعار ہے۔ کیونکہ اگر حسن حقیقی نے حسن مجازی کو اپنی خوبیوں سے کچھ عطا نہ کیا ہوتا، تو حسن مجازی کی ملاحت، روئے بتاں سیب زنخداں کی شوخی، گل و گلزار کی رنگت و رونق، سیمیں ذقنان کے سیب زنخداں اور گیسوئے مشک تاتار کی دلکشی کہاں سے آتی؟ گویا حسن مجازی کی ہر نوع کی رعنائیاں صرف اور صرف حسن حقیقی کا ایک ادنیٰ ساشمہ ہیں۔

اب مناجات کا ایک اور انداز ملاحظہ کیجئے۔ اس میں بھی الفاظ و معانی کا تطابق قابل التفات ہے اور مضمون ہے کہ سراپا عجز و نیاز کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔

اے خدا اے چارہ آزار ما
اے علاج گریہ ہائے زار ما

اے (وہ) خدا! جو ہمارے دکھ کا علاج ہے (اور) اے وہ خدا جو ہماری گریہ و زاری کا چارہ ساز ہے۔

اے تو مرہم بخش جان ریش ما
اے تو دلدار دل غم کیش ما

اے خدا! تو ہی ہماری زخمی روح کو (سکون کا) مرہم بخشنے والا ہے (اور) اے خدا! تو وہی (دل دار و دل نواز) ہے، جو ہمارے غمگین دل کو تسلی بخشنے والا ہے۔

عاجزے را ظلمتے گیرد براہ
ناگہاں آری برو صد مہر و ماہ

(جب کبھی) کسی عاجز انسان کو راہ میں اندھیرا پکڑ لیتا ہے تو تو اچانک سینکڑوں چاند سورج اپنے جلو میں لئے اس (عاجز انسان) کے پاس چلا آتا ہے۔

خاک را در یک دمے چیزے کنی
کز ظہورش خلق گیرد روشنی

تو دم کے دم میں مٹی کو اپنی قدرت سے ایسی چیز بنا دیتا ہے کہ اس کے ظہور سے مخلوق (خدا) روشنی حاصل کرنے لگتی ہے۔

بر کسے چوں مہربانی مے کنی
از زمینی آسمانی مے کنی

جب تو کسی پر اس طرح مہربانی کی نظر ڈالتا ہے تو اسے زمینی وجود سے تو آسمانی وجود میں بدل دیتا ہے۔ یعنی خاکی کو نوری وجود عطا کرکے اس کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

اس طویل منظومے کے آخر پر آپ خداوندیگاں سے رشتہ جوڑنے کا گریبان فرماتے ہیں۔

نالہ ہا کن، کاے خداوند یگاں
بگسلاں، از پائے من، بند گراں

خداوند یکتا و یگانہ کے حضور نالہ و فریاد کرتے ہوئے التجا کر کہ اے خدائے یگانہ! تو میرے پاؤں سے (بندھی ہوئی) دنیا کی بوجھل زنجیر توڑ دے۔ یعنی مجھے دنیا کے تعلق سے الگ کردے۔

تامگر، زاں نالہ ہائے دردناک
دست غیبے گیردت ناگہ زخاک

تاکہ (تیرے) اس دردناک نالہ و فریاد کے نتیجے میں، غیب سے کوئی ہاتھ (ظاہر ہوکر) اچانک تجھے مٹی سے اٹھا کر پکڑ لے۔ یعنی تیرے گریہ و زاری کے اثر سے کوئی غیبی ہاتھ تجھے تھام کر اٹھا لے۔

بے عنایات خدا، کاراست خام
پختہ داند ایں سخن را، والسلام

اللہ تعالیٰ کی عنایات کے بغیر ہر کام ناقص و ناتمام رہتا ہے۔ اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لے اور یہ سلامتی (کا پیغام) ہے۔ گویا ہر مقصد و مرام کو پانے کے لئے عنایت خداوندی لابدی

ہے۔ اس کے بغیر کامیابی کی امید امر موہوم ہے۔

☆☆☆

اب ذرا شکر و سپاس پیش کرنے کا انداز دیکھئے کہ کس خوبی سے عنایات الٰہیہ پر اظہار تشکر کیا جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔

قربان تست جان من، اے یار محسنم
بامن کدام فرق تو کردی کہ من کنم

اے میرے محسن دوست! میری جان تجھ پر قربان ہے۔ بھلا تو نے (احسان کرنے میں) میرے ساتھ (اوروں کی نسبت) کب فرق روا رکھا ہے کہ میں (تیرا احسان دیکھ کر بھی شکریہ ادا کرنے میں) کوتاہی کروں گا؟

ہر مطلب و مراد کہ مے خواستم زغیب
ہر آرزو کہ بود، بخاطر معینم

ہر مقصود و مراد، جسے غیب سے میں نے مانگا (اور) ہر آرزو، جو (دل میں) تھی، تو نے میرے لئے خاص کر دیا۔ یعنی میری ہر طرح کی خواہش کو پورا کر دیا۔

از خود دادہ ہمہ آں مدعا من
وز لطف کردہ، گذر خود بمسکنم

تو نے خود بخود مجھے میرے سب مقصود و مطلوب عطا کیے اور تو نے خود اپنے لطف و کرم سے میرے گھر میں اپنا گذر فرمایا۔

ہیچ آگہی نبود، زعشق و وفا مرا
خود ریختی، متاع محبت بدامنم

عشق و وفا کی منزلوں سے مجھے کچھ بھی علم و آگاہی نہیں تھی، تو نے خود ہی محبت کی متاع (پونجی) میرے دامن میں ڈال دی۔

ایں خاک تیرہ را، تو اکسیر کردہ
بود آں جمال تو، کہ نمود است احسنم

اس تاریک و سیاہ خاک کو تو نے سونا بنا دیا۔ وہ تیرا ہی جمال تھا، جو سب سے اچھے انداز میں میرے لئے ظاہر ہوا ہے۔

☆

صد منت تو ہست، بریں مشت خاک من
جانم رہین لطف عمیم تو، ہم تنم

تیرے سینکڑوں احسان ہیں، میری اس مٹھی بھر خاک یعنی ناچیز بندے پر۔ اس لئے اب میری جان تیرے بے پایاں لطف و کرم کی وجہ سے گروی ہو چکی ہے اور اسی طرح میرا جسم بھی (تیرا ہی رہین ہو چکا ہے) یعنی میں جسم و جان تیرے لطف و کرم کی وجہ سے تیرے سپرد کر چکا ہوں۔

در کوئے تو اگر سر عشاق را زنند
اول کسے کہ لاف تعشق زند منم

اے یار محسنم! اگر تیرے کوچے میں لوگوں نے عشاق کے سر کاٹنے کی طرح ڈالی تو سب سے پہلے جو عاشق عشق کی بڑ ہانکنے کی جرات کرے گا۔ وہ میں ہی ہوں گا۔ یعنی تیری محبت کی راہ میں اگر عشاق کو گردن زدنی قرار دیا گیا تو اس میں بھی تیرا یہ عاشق ہی پیش پیش ہو گا۔

خاکسار نے آپ کی مناجات پر مشتمل دسیوں منظومات میں سے صرف دو تین کے حوالے اب تک درج کئے ہیں۔ حق تو یہ ہے کہ ہر منظومہ کا حوالہ لایا جائے۔ اس لئے کہ "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" مگر طوالت کا خوف مانع ہے۔ اس لئے اب اسی پر اکتفا کرتے ہوئے بعض دیگر عنوانوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ شائقین حضور اقدس کی دیگر مناجات کا از خود مطالعہ کر کے بہرہ یاب ہوں۔

## نعت

عام طور پر سخنور اپنے دیوان کا آغاز ایک حمدیہ نظم اور اس کے بعد ایک نعتیہ نظم سے کرتے ہیں۔ یہ دونوں نظمیں عموماً غزل نما ہوتی ہیں اور نو دس اشعار پر مشتمل ہوتی ہیں۔ مگر حضور اقدس نے اپنی تصنیفات کے دوران مناجات کی طرح نعت کے انداز میں بھی متعدد نظمیں لکھی ہیں۔ ہر نظم کا انداز بتاتا ہے کہ آپ کی نظمیں وفور جذبات کے نتیجے میں برجستہ و بے ساختہ لکھی گئی ہیں۔ اسی لئے آپ کی ہر نعت، نعت کے روایتی انداز سے

بالکل اچھوتا انداز رکھتی ہے اور اس کے اندر آپ کا ذاتی عشق و محبت سرور کونین ﷺ کا تجربہ دکھائی دیتا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ شاعرانہ انداز میں روایتی نعت کو آپ کی نعت سے کوئی نسبت ہی نہیں دی جاسکتی، تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ آپ کی ایک معروف نعت کے چند اشعار ذیل میں تحریر کئے جاتے ہیں۔ یہ نعت ایک سو پچیس اشعار پر مشتمل ہے اور ہیئت ترکیبی کے لحاظ سے صنف غزل میں ہے۔ صنف غزل میں عام طور پر دس بارہ اشعار کے بعد شاعر کو قافیے کی نایابی آڑے آکر آگے بڑھنے سے روک دیتی ہے۔ مگر آپ کی زیر نظر نعت ایک دریائے رواں کی طرح بڑھتی چلی جاتی ہے اور کہیں یہ احساس راہ نہیں پاتا کہ قافیے کی نایابی نے اثر دکھایا ہو۔ ایک سو پچیس اشعار میں صرف پانچ سات قافیے ایسے ہیں جو ایک سے زائد مرتبہ استعمال ہوئے ہیں ورنہ ہر شعر کے لئے ایک برمحل قافیہ دست بستہ نظر آتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ آپ کی یہ نعت ایک مثالی اور بے نظیر نظم ہے جو ہر قسم کی شعری خوبیاں، کیا لفظی اور کیا معنی، اپنے اندر رکھتی ہے۔ نمونہ ملاحظہ کیجئے۔

در دلم جوشد ثنائے سرورے
آنکہ در خوبی، ندارد ہمسرے

میرے دل میں اس سرور و سردار کی تعریف و توصیف جوش و جذبے سے پیدا ہو رہی ہے، جو اپنے وصف و خوبی میں اپنا کوئی ہم پلہ نہیں رکھتا۔ یعنی وہ ہر پہلو سے یکتا و یگانہ ہے۔

آنکہ جانش، عاشق یار ازل
آنکہ روحش، واصل آں دلبرے

وہ سردار اس مرتبے کا انسان ہے کہ جس کی روح اس ازلی و ابدی یار کی عاشق ہے اور وہ، وہ انسان کامل ہے جس کی جان اس دلبرو دلربا کے وصل کا جام ہر آن پیتی رہتی ہے۔ یعنی وہ لمحے کے لئے بھی اپنے دلبر سے جدا نہیں ہوتا۔

از بنی آدم، فزوں تر در جمال
وزلالی پاک تر، در گوہرے

وہ سردار اپنے حسن و جمال میں تمام بنی آدم یعنی نوع انسانی میں سے بڑھ کر ہے اور اپنی ذاتی خوبی میں موتیوں سے زیادہ صاف ستھرا اور زیبا ہے۔ یعنی حسن و خوبی میں موتی اس کی تاب نہیں لا سکتے۔

بربش جاری، زحکمت چشمہ
در دلش، پر از معارف کوثرے

اس کے ہونٹوں پر علم و حکمت کا چشمہ جاری رہتا ہے اور اس کے دل میں ایک کوثر ہے۔ جو معارف ربانی سے معمور ہے۔ یعنی اس کے ہونٹوں پر علم و حکمت کی باتیں ہمہ وقت جاری رہتی ہیں اس لئے کہ اس کے دل میں نکات معرفت کا دریا موجزن رہتا ہے۔

روشنی از وے بہر قومے رسید
نور او رخشید بر ہر کشورے

اسی کے طفیل ہر قدم تک (تہذیب و تمدن کی) روشنی پہنچی (اور) اسی کا نور (دنیا کے) ہر ملک و دیار پر چمکا۔ یعنی عظیم سردار کے ذریعے ہی دنیا میں علم و حکمت اور تہذیب و تمدن کا نور عام ہوا۔

حسن رویش، بہ زماہ و آفتاب
خاک کویش بہ زمشک و عنبرے

اس سردار کے چہرے کا حسن و جمال چاند اور سورج سے بڑھ کر ہے اور اس کے کوچے کی خاک مشک اور عنبر سے کہیں بڑھ کر ہے۔

یاں آں صورت، مرا از خود برد
ہر زماں مستم کند از ساغرے

اس رخ (انور) کی یاد مجھے بے خود رکھتی ہے (اور) ہر وقت مجھے اپنے (شربت دیدار) کے پیالے سے مست رکھتی ہے۔ یعنی مجھے ہر گھڑی اس عظیم سردار کا دیدار نصیب ہوتا ہے اور میں اس کے دیدار کا جام لبالب پی کر اسی کی محبت میں ڈوبا رہتا ہوں۔ ایک اردو شعر میں اسی خیال کو یوں باندھا ہے۔

ربط ہے جان محمد سے مری جاں کو مدام
دل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے

☆

می پریدم، سوئے کوئے او مدام
من اگر میداشتم، بال و پرے

میں اس کے کوچے کی طرف ہمیشہ ہی پرواز کرتا رہتا، کاش! کہ میں (پرواز کے لئے) بال و پر رکھتا۔ اسی مضمون کو ایک عربی شعر میں یوں پیش فرمایا ہے۔

جسمی یطیر الیک من شوق علا
یالیت کانت قوہ الطیران

ختم شد، برنفس پاکش، ہر کمال
لاجرم، شد ختم ہر پیغمبرے

اس عظیم سردار کی پاک و صاف شخصیت پر ہر (انسانی) کمال اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ یقیناً ہر قسم کی رسالت و پیغمبری بھی اسی پر ختم ہو چکی ہے۔ گویا آنحضور ﷺ ہر پہلو سے "خاتم النبیین" ہیں۔

اوچہ میدارد بمدح کس نیاز؟
مدح او خود فخر ہر مدحت گرے

وہ کسی بھی انسان کی مدح و تعریف کی حاجت سے کیا غرض رکھتا ہے؟ بلکہ اس کی مدح کرنے سے ہر مدحت گر اپنے لئے فخر و ناز کی دولت سمیٹتا ہے۔ ایک عربی شاعر نے اسے یوں باندھا ہے۔

ما ان مدحت محمداً بمقالتی
ولکن مدحت مقالتی بمحمدی

اے خداوندم بنام مصطفیٰ
کش شدی در ہر مقام ناصرے
دست من گیر از رہ لطف و کرم
در مہم باش یار و یاورے

اے میرے خدا! اس محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام کے صدقے کہ جس کا تو ہر مقام پر ناصر و مددگار ہے۔ تو لطف و کرم سے میرا ہاتھ بھی پکڑ لے اور میری اس مہم میں تو میرا دوست اور مددگار بن جا۔ یعنی جس طرح تو نے میرے آقا و مولا حضرت محمد ﷺ کی ہر مقام و محل پر نصرت فرمائی۔ ان کے صدقے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے میری بھی مدد فرما۔

الغرض یہ طویل منظومہ ہر قسم کے نکات علم و معرفت اور محاسن شعری سے معمور ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے قاری اس طرح محو ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ہی جست میں اس پر عبور پا جاتا ہے اور اسے قطعاً طوالت کا احساس تک نہیں ہوتا۔

مذکورہ طویل اور مرصع نعت کے علاوہ بھی آپ کے مدحیہ و نعتیہ کلام کے متعدد نمونے ملتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو مختصر ہونے کے باوجود اپنے اندر جامعیت و اکملیت کی خوبی رکھتے ہیں۔ اس طرح کہ زبان و بیان اور حکمت و معرفت ان پر ہزار جان سے قربان ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایسے منظومہ کے چند شعر پیش خدمت ہیں۔

- جان و دلم فدائے جمال محمدؐ است
خاکم نثار کوچہ آل محمدؐ است

میرے جان و دل محمدؐ کے حسن و جمال پر قربان و فدا ہیں اور آل محمدؐ کے کوچے میں میں خاک بن کر قربان ہو جاؤں۔ یعنی محمد ﷺ کے حسن و جمال کو پانے کے لئے میں اپنے جان و دل کو فدا کرتا ہوں اور آل محمدؐ سے محبت و عقیدت کے تقاضے سے میں خاک بن کر اس کے کوچے میں نچھاور ہونا باعث فخر جانتا ہوں۔

دیدم بعین قلب و شنیدم بگوش ہوش
در ہر مکاں ندائے جلال محمدؐ است

میں نے دل کی آنکھوں سے (یہ منظر) دیکھا اور ہوش و خرد کے کانوں سے سنا کہ (کائنات کی) ہر جگہ سے محمد ﷺ کے جلال کی گونج رہی ہے۔

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم
یک قطرہ زبحر کمال محمدؐ است

یہ جاری و ساری (معرفت کا) چشمہ جو میں مخلوق خدا کو بانٹ رہا ہوں یہ تو میرے آقا محمدؐ کے بحر کمال کا صرف ایک قطرہ ہے۔

این آتشم، ز آتش مہر محمدیست
وین آب من، ز آب زلال محمدؐ است

یہ (میرے دل میں عشق کی) آگ جو بھڑک رہی ہے یہ میرے آقا محمد ﷺ کی محبت کی آگ ہی کا ایک شعلہ ہے۔ اور یہ میرا معرفت کا جو پانی ہے یہ بھی میرے محبوب آقا محمد ﷺ کے آب شیریں کا ایک حصہ ہے۔ گویا فرمایا کہ میری ذاتی کوئی چیز نہیں۔ سب کچھ میرے آقا کی عطا ہے۔

ان چاروں اشعار میں آپ نے اپنے محبوب حضرت محمد ﷺ کی ذات ستودہ صفات سے اس طرح اپنے عشق کا اظہار کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی عاشق اپنے محبوب سے اپنی وارفتگی کو کیوں کر بیان کر سکتا ہے؟

ایک اور نعت کے کچھ شعر ملاحظہ کیجئے اور غور کیجئے کہ آپ نے کس عجز کے ساتھ اپنے محبوب آقا ﷺ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کیا ہے۔

شان احمد را کہ داند، جز خداوند کریم
آنچناں، از خود جدا شد، کزمیاں افتاد میم

حضرت احمد مجتبیٰ ﷺ کی شان کو سوائے خداوند کریم کے اور کون ہے جو جانتا ہے؟ وہ خداوند کریم اپنی ذات سے اس طرح جدا ہوا کہ درمیان میں ایک میم آ پڑا یعنی "احمد" جو آپ کا ایک صفاتی نام ہے۔ اس کے اور اللہ کے صفاتی نام "احد" میں صرف ایک میم نے حد فاصل قائم کی ہے۔ ورنہ احمد اور احد میں اور کوئی فرق نہیں ہے۔

بوئے محبوب حقیقی مے دمد، زاں روئے پاک
ذات حقانی صفاتش، مظہر ذات قدیم

آپ کے پاک و صاف چہرے سے محبوب حقیقی کی مہک پھیلتی ہے۔ آپ کی صفات سے ذات حق جلوہ گر ہے اور آپ اس ذات قدیم کے مظہر ہیں۔ گویا آپ کی صفات، صفات خداوندی کا پورا پورا عکس ہیں۔ یا یوں کہئے کہ آپ کی ذات پر تو قدس ہے۔

در رہ عشق محمدؐ ایں سر و جانم رود
ایں تمنا، ایں دعا، ایں در دلم عزم صمیم

محمد ﷺ کے عشق میں میرا یہ سر اور جان چلی جائے یعنی قربان ہو۔ بس یہی اک تمنا ہے یہی دعا ہے اور یہی میرے دل کا پختہ ارادہ ہے۔ گویا آپ کے عشق کی راہ میں قربان ہونا ہی میری خواہش ہے۔

ایک طویل منظومہ کے دو شعر کیا ہیں نعت و مدحت کا دریا اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔

بعد از خدا، بعشق محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود، بخدا سخت کافرم

خدا کی محبت کے بعد میں صرف اپنے آقا محمد ﷺ کے عشق میں مست رہتا ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ اور محمد ﷺ کے عشق میں سرشار رہنا اغیار کی نظروں میں کفر ہے تو خدا کی قسم اس میدان عشق میں میں بہت پختہ قسم کا کافر ہوں۔

جانم فدا شود برہ دین مصطفیٰ
ایں است کام دل، اگر آید میسرم

دین مصطفیٰ کی راہ میں میری جان فدا ہو جائے۔ بس یہی میرے دل کا مقصود و مرام ہے۔ کاش! یہ مجھے میسر آ جائے۔

اب ایک اور نعت و مدحت کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہ بیاسی اشعار پر مشتمل ہے۔ اور غزل نما ہونے کے باوجود ہر شعر انداز کا تنوع اور قافیے کی جدت لیے ہوئے ہے۔ الفاظ و تراکیب کے لحاظ سے ایک سلک مروارید معلوم ہوتی ہے تو نعتیہ جذبات کے اعتبار سے نکات معرفت کا چھلکتا ہوا جام دکھائی دیتا ہے۔ چند شعر ملاحظہ کیجئے۔

چوں زمن آید، ثنائے سرور عالی تبار
عاجز از مدحش، زمین و آسمان و ہر دو دار

جب مجھ ناچیز خادم سے، اس عالی حسب و نسب کے سردار کی ثنا

ظہور میں آتی ہے تو میری مدح و ثنا کے بعد زمین و آسمان اور دونوں جہاں اس کی مدح و ستائش سے عاجز آجاتے ہیں۔

آں مقام قرب کو دارد، بدلدار قدیم
کس نداند شان آں از واصلان کردگار

وہ اس دلدار قدیم یعنی ازلی و ابدی ذات سے قرب کا جو مقام رکھتا ہے۔ اس کی وجہ سے خدائے کردگار کے وصل سے حصہ پانے والوں میں بھی کوئی اس کی شان کو نہیں جانتا۔ گویا واصلان کردگار بھی اس عالی تبار سردار کے مقام و مرتبہ سے ناآشنا ہیں۔

ہست او، از عقل و فکر و فہم مردم دور تر
کسے مجال فکر، تا آں بحر ناپیدا کنار

وہ (اپنے مقام مرتبہ کے اعتبار سے) انسانوں کے فہم اور عقل و فکر سے بہت بلند ہے۔ کسی (انسان) کی فکر کی کیا مجال کہ وہ اس بیکراں سمندر تک پہنچ سکے۔

منت او، بر ہمہ سرخ و سیاہے ثابت است
آنکہ بہر نوع انساں، کرد جاں خود نثار

سب اسود و احمر یعنی گوروں کالوں پر اس کا احسان مسلم ہے کہ جس نے نوع انسان کی خاطر اپنی جان قربان کردی۔

زندہ آں شخصے کہ نوشد جرعہ از چشمہ ات
زیرک آں مرد یکہ کرد است، اتباعت اختیار

اب زندہ وہی شخص ہے کہ جس نے تیرے چشمے سے ایک گھونٹ پی لیا (اور) دانا وہی شخص ہے کہ جس نے تیری اتباع اختیار کی۔

یا نبی اللہ! فدائے ہر سر موئے تو ام
وقف راہ تو کنم، گر جاں دہندم صد ہزار

اے اللہ کے نبیؐ! میں تیرے ہر بال کی نوک پر قربان ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ مجھے ایک لاکھ بار بھی جان عطا کرے تو میں (وہ سب کی سب جانیں) تیری ہی راہ میں قربان کرنے کے لئے وقف کر دوں۔

یا نبی اللہ! نثار روئے محبوب تو ام
وقف راہت کردہ ام، ایں سر کہ بردوش ست بار

اے اللہ کے نبی! میں تیرے پیارے چہرے پر نثار ہوں (اور) میرا یہ سر کہ جو میرے کندھوں پر ایک بوجھ (محسوس ہوتا) ہے اسے میں نے تیری راہ میں قربان ہونے کے لئے وقف کر دیا ہے۔

زندگانی چیست! جاں کردن براہ تو فدا
رستگاری چیست؟ در بند تو بودن صید وار

حقیقی زندگی کیا ہے؟ تیری ہی راہ میں جان کو فدا کرنا اور حقیقی آزادی کیا ہے؟ شکار کی طرح تیری محبت کی زنجیر میں بندھے رہنا۔

یا رسول اللہ! برویت عہد دارم استوار
عشق تو دارم ازاں روزے کہ بودم شیر خوار

ایک آریہ لیڈر لیکھرام پشاوری، آنحضور ﷺ کی شان اقدس میں گستاخانہ انداز میں زبان کھولتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھلا یہ کیونکر گوارا ہو سکتا تھا؟ اس لئے آپ نے اس عدو دین کو انتباہ کرنے کے لئے ایک منظومہ نعتیہ پیشگوئی کے طور پر رقم فرمایا۔ یہ منظومہ ستائیس اشعار پر مشتمل ہے۔ یہ ہر پہلو سے ایک شاہکار ہے۔ اس عاجز کے قلم میں طاقت کہاں کہ اس کی خوبیاں لکھ سکے۔ مکمل نظم پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ مگر طوالت کے خوف سے چند شعر درج کرتا ہوں۔ وہ لوگ جو توہین رسالت ﷺ سے جذباتی ہو جاتے ہیں یہ ان کے لئے نسخہ کیمیا ہے۔ ذرا آزما کر دیکھیں۔

عجب نوریست در جان محمد
عجب لعلیست در کان محمد

میرے آقا حضرت محمد ﷺ کی روح اقدس میں ایک نادر و نایاب قسم کا نور ہے۔ اور حضرت محمد ﷺ کی کان (حسن) میں ایک عجیب و غریب نوع کا ہیرا ہے۔ یعنی میرے آقا اپنی ہر خوبی میں بے مثال ہیں۔

ندانم ہیچ نفسے در دو عالم
کہ دارد شوکت و شان محمد

میں دونوں جہان میں سے کسی ایسی ذات کو نہیں جانتا کہ جو

میرے آقا حضرت محمد ﷺ کی سی شان و شوکت رکھتی ہو۔

اگر خواہی نجات از مستی نفس
بیا در ذیل مستان محمد

اگر تو (اپنے) نفس کی مستی یعنی بے راہروی سے نجات چاہتا ہے' تو آ اور اپنا رشتہ و پیوند میرے آقا حضرت محمد ﷺ کے سرشاروں کے دامن سے جوڑ لے۔ یعنی ان لوگوں کے گروہ میں شامل ہو جا' جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مست رہتے ہیں۔

اگر خواہی دلیلے عاشقش باش
محمد ہست برہان محمد

میں نے تیرے سامنے حضرت اقدس کی ذات گرامی کے جن کمالات کا دعویٰ کیا ہے اگر تو اس دعوی پر کوئی دلیل چاہتا ہے تو اس ذات اقدس کا عاشق بن کر دیکھ لے۔ کیونکہ محمد ﷺ کی ذات (ستودہ صفات) ہی محمد ﷺ کے کمالات پر برہان (ناطق) ہے۔

الا اے دشمن نادان و بے راہ
بترس از تیغ بران محمد

اے نادان اور گم راہ دشمن! خبردار! (اپنی ہرزہ سرائی سے باز آ جا) ہاں! حضرت محمد ﷺ کی تیز تلوار سے ڈر کہ وہ تیرے جیسے گستاخوں کا علاج کرنا جانتی ہے۔

آخر پنڈت لیکھرام پشاوری اپنی بد زبانی کی یاداش میں قتل ہو کر مذکورہ نعتیہ پیشگوئی کے انتباہ کی صداقت پر مہر تصدیق ثبت کر گیا۔ حضور اقدس نے اپنے ایک اردو شعر میں یوں ارشاد فرمایا ہے۔

لیکھو کی بد زبانی کارد ہوئی تھی اس پر
پھر بھی نہیں سمجھتے حمق و خطا یہی ہے

مختصر یہ کہ مناجات رب العالمین کی طرح آنحضور ﷺ کی مدحت و نعت بھی حضور اقدس کا پسندیدہ عنوان ہے۔ اس پر بھی متعدد منظومات ہیں اور ہر ایک اپنے رنگ و بو کے اعتبار سے جداگانہ شان کی حامل ہے۔ مگر اب اس سے آگے بڑھ کر آپ کے تیسرے پسندیدہ عنوان مدح قرآن کریم کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

## مدح قرآن کریم

قرآن کریم کیا ہے اور اس سے انسان کیا حاصل کرتا اور یہ کیا اثر دکھاتا ہے؟ ان سوالوں کے جواب حضور اقدس نے نہایت آسان انداز میں تین شعروں میں بیان فرمائے ہیں۔ آپ کے جواب ہر پہلو سے برجستہ ہیں۔ اس لئے اگر کوئی انسان ان پر تھوڑا سا بھی تدبر سے کام لے' تو اس کے دل میں نہ صرف نور یقین بھر جائے گا' بلکہ وہ قرآن کریم کی سچائی کا بھی قائل ہو جائے گا۔ لیجئے شعر حاضر ہیں۔

ہست فرقاں آفتاب علم و دیں
تا برندت' از گماں سوئے یقیں

قرآن مجید علم اور دین کا آفتاب روشن ہے۔ اے انسان! یہ اس لئے طلوع ہوا ہے تاکہ تجھے وہم و گمان کی دنیا سے نکال کر یقین کے جہاں کی طرف لے جائے۔

ہست فرقاں از خدا حبل المتیں
تا کشندت سوئے رب العالمیں

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک مضبوط رسی کی طرح ہے۔ تاکہ وہ تجھے رب العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیم مخلوق کے لئے اپنے رب سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔

ہست فرقاں روز روشن از خدا
تا دہندت روشنی دیدہ ہا

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک مضبوط رسی کی طرح ہے۔ تاکہ وہ تجھے رب العالمین کی طرف کھینچ کر لے جائے۔ یعنی قرآن مجید کی تعلیم مخلوق کے لئے اپنے رب سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔

مذکورہ تینوں سوالوں کے جواب دینے کے بعد یہ بتایا کہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو کس ضرورت کے تحت نازل فرمایا؟ اس کا جواب آپ نے یوں بیان فرمایا ہے۔

حق فرستاد ایں کلام بے مثال
تا رسی در حضرت قدس و جلال

قرآن مجید خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک روشن و پرنور دن ہے۔ (یہ اس لئے طلوع ہوا ہے) تا کہ تجھے آنکھوں کو روشنی عطا کرے۔ یعنی قرآن مجید نور چشم انسان بن کر آیا ہے۔

گویا آپ نے قرآن کریم کو بندے اور خدائے ذوالجلال کے درمیان تعلق قائم کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم ایسے امور کی طرف رہنمائی کرتا ہے، جن پر عمل کر کے ہر انسان قرب الٰہی پا سکتا ہے۔

قرآن کریم کی مدح میں آپ نے متعدد منظومات لکھی ہیں اور ان میں ہر ایک اپنی اپنی جگہ ایک نمایاں خوبی کی حامل ہے۔ ایک روایت ہے کہ حضور اقدس نے اپنی زندگی میں کم و بیش دس ہزار مرتبہ اس بے مثال اور لازوال کلام کی تلاوت فرمائی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ پر قرآن کریم کے معارف اللہ تعالیٰ نے کس کس انداز سے کھولے ہیں۔ چنانچہ آپ نے انہی معارف کی طرف اپنے منظوم کلام میں نئے نئے انداز میں اشارے فرمائے ہیں۔ آپ کی ایک نظم کے چند اشعار پڑھیے اور حظ اٹھائیے۔

از نور پاک قرآں، صبح صفا دمیدہ
بر غنچہ ہائے دلہا باد صبا وزیدہ

قرآن مجید کے پاک نور سے ایک روشن صبح طلوع ہوئی ہے اور دلوں کی کلیوں کے لئے یہ باد صبا بن کر آیا ہے۔ یعنی قرآن مجید کے نور سے انسانوں کے دلوں کے غنچے کھل اٹھے ہیں۔

یوسف بقعر چاہے محبوس ماند تنہا
ویں یوسفے کہ تن ہا، از چاہ بر کشیدہ

اللہ نے یہ بے مثال کلام اس لئے بھیجا ہے تا کہ تو اس کی تعلیم پر عمل کر کے خدائے ذوالجلال و قدوس کی بارگاہ تک پہنچ جائے۔

گویا قرآن کی تعلیم نہ صرف خدا نما ہے بلکہ اس تک پہنچنے کا وسیلہ بھی ہے۔

ایں روشنی و لمعاں شمس الضحیٰ ندارد
ویں دلبری و خوبی کیں در قمر ندیدہ

یہ روشنی اور چمک و قرآن مجید میں ہے چاشت کے وقت کا آفتاب بھی اپنے اندر نہیں رکھتا اور یہ شان دلربائی اور خوبی (جو قرآن مجید میں ہے کسی نے چاند میں بھی نہیں دیکھی ہے۔

کیفیت علومش، دانی چہ شان دارد؟
شہد یست آسمانی، از وحی حق چکیدہ
آں کس کہ عالمش شد، شد مخزن معارف
وآں بے خبر ز عالم، کیں عالمے ندیدہ

ان اشعار میں آپ نے جس انداز سے قرآن کریم کا مرتبہ بیان فرمایا ہے، کوئی دوسرا اسے کیونکر بیان کر سکتا ہے؟ آپ نے ہر شعر میں قرآن کریم کی شان کو ایک نئے انداز سے پیش کیا ہے۔ مثال کے طور پر پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں نور قرآن کو ایک روشن صبح کے طلوع ہونے سے تشبیہ دی ہے۔ تو مصرعہ ثانیہ میں باد صبا قرار دیا ہے کہ جس کے چلنے سے باغوں میں بہار آتی اور غنچے کھلتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کے نور سے انسانی دل کے غنچے کھلتے ہیں اور وہ روحانی بہار سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرے شعر میں قرآن مجید کو ایسا یوسف، قرار دیا ہے جو کنوئیں میں گرے ہوئے انسانوں کو باہر نکالتا ہے۔ یہ ایک ایسی تشبیہ ہے جس کی نظیر اردو و فارسی شاعری میں نہیں ملتی۔ تیسرے شعر میں آپ نے قرآن کریم کو آسمانی شہد قرار دیا ہے۔ یہ تشبیہ بھی نادر و نایاب ہے۔ الغرض آپ نے اپنی ان منظومات میں قرآن کریم کے محاسن و معارف کو اس انداز میں پیش کیا ہے جو علم لدنی کا حصہ ہے۔ عام شعراء اور علماء کے بیانات کا ان سے کوئی مقابلہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے اپنے ایک اردو شعر میں قرآن کریم کو اپنا کعبہ قرار دیا ہے اور اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ اسے چومتا

بقیہ صفحہ 10 پر

# حضرت سیدہ چھوٹی آپاؒ کی بعض صفات حسنہ

(تحریر۔ مکرم سید میر محمود احمد صاحب ناصر)

محترم سید میر محمود احمد صاحب ناصر نے برجستہ حضرت چھوٹی آپاؒ کی سیرت پر جو کچھ لکھا ہے دراصل یہ آپ کی صفاتِ حسنہ کے عنوان ہیں اور تفصیل سے لکھنے والوں کے لئے راہنما اصول ہیں۔

ا۔ حضرت چھوٹی آپا کو جن خدمات کی توفیق ملی ان میں سر فہرست وہ قلمی کام ہے جو حضرت مصلح موعود کی نگرانی میں آپ نے کیا۔ بتاتی تھیں کہ شادی کے شاید پہلے دوسرے دن ہی حضرت مصلح موعود نے مجھے کوئی چھوٹی سی بات لکھوانے کے لئے قلم دیا اور پھر مجھے قلم تھما ہی دیا۔

حضور کے الہامات۔ تقاریر کے نوٹس، نظمیں، خطوط کے جوابات، مضامین، طبی نسخے، عطر کے نسخے، حساب کتاب بہت کثرت سے آپ نے لکھے۔ حضور کی بیماری میں تو عملاً پرائیویٹ سیکرٹری کے کام کا بہت سا حصہ حضرت چھوٹی آپا کے ہاتھوں ہوتا تھا۔ تفسیر صغیر کا عظیم الشان ترجمہ حضور نے آپ کو ہی لکھوایا۔

۲۔ چھوٹی آپا کی ایک نمایاں خوبی جماعت کی خواتین اور بچیوں کے لئے مادرانہ شفقت کا انداز تھا۔ ہر ایک سے ملتیں۔ نہ دن نہ رات۔ ہر ایک سے یکساں ملاقات کا انداز۔ نہ غریب سے کوئی فرق نہ امیر اور اہل ثروت سے کوئی جھجک۔ کوئی اپنا مسئلہ پیش کر رہا ہے کوئی دعا کی درخواست کر رہا ہے کوئی مشورہ مانگ رہا ہے کوئی راہنمائی طلب کر رہا ہے۔ ہر ایک کی شادی میں شامل ہوتیں۔ ہر ایک مریض کی عیادت کرتیں۔ کبھی اپنے ہاتھ سے نومولود بچوں کے لئے سویٹر بن کر پیش کرتیں۔ غمی کے مواقع پر گھروں میں جا کر دلجوئی کرتیں۔ کئی مواقع پر زچہ کی نگہداشت کے لئے کئی کئی دن ہسپتال جا کر رہتیں۔

۳۔ حضرت مصلح موعود کو قرآن مجید سے عشق تھا یہ عشق حضرت چھوٹی آپا کو بھی دیا۔ خود قرآن پڑھتی تھیں نوٹس لیتی تھیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بصرہ العزیز کے ترجمہ کلاس اور درس القرآن MTA پر باقاعدہ اور بڑے اہتمام سے سنتیں اور قرآن شریف ہاتھ میں ہوتا۔ پرسوں میں قرآن مجید جس کو استعمال کرتی تھیں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ 100, 100 صفحات دو دو سو صفحات کے فاصلہ سے آیات پر Cross ریفرنس ہے۔ بتاتی تھیں کہ حضرت مصلح موعود نے ان کو پڑھانے کے لئے قرآن شریف کے ایک درس کا سلسلہ شروع فرمایا۔ بعض واقفین زندگی نے بھی اس درس میں شامل ہونے کی خواہش کی چنانچہ حضور نے اوپر کمرہ میں یہ درس جاری کر دیا اور واقفین بیت المبارک کی چھت پر بیٹھتے اور درس میں شامل ہوتے۔ یہاں ربوہ میں چھوٹی آپا صبح صبح بہت سویرے لڑکیوں کو قرآن مجید کا ترجمہ پڑھانا شروع کر دیتیں۔ بیچ میں اُٹھ کر ایک پیالی چائے پیتی تھیں پھر دفتر لجنہ جانے سے پہلے لڑکیوں کو مختلف محلوں سے آتی تھیں۔ ترجمہ قرآن شریف پڑھاتی تھیں۔ اور یہ بات صحیح طور پر مشہور ہوگئی تھی کہ جو لڑکی ترجمہ آپ سے پڑھ لیتی اس کی شادی غیر متوقع طور پر ہو جاتی۔ آج ہی ایک دوست جو شاید بہاول نگر سے جنازہ میں شرکت کے

لئے آئے تھے بتا رہے تھے کہ میری بہن نے ابھی ۲۲ سپارے چھوٹی آپا سے ترجمہ مکمل نہیں کئے تھے کہ اس کی شادی ہوگئی۔ (انکی شاگردوں کی تعداد سینکڑوں میں ہے)

۴۔ ایک صفت جو میں نے بہت قریب سے ان میں دیکھی وہ غیر معمولی صبر و ضبط کی صفت تھی۔ حضرت مصلح موعود کی وفات دل ہلا دینے والا صدمہ تھی مگر انتہائی صبر و سکون کے ساتھ اس کو برداشت کیا۔ سفر میں گرمی دھوپ پیاس پر لوگ تکلف کا اظہار کرتے مگر چھوٹی آپا کی زبان پر کبھی شکایت کا حرف نہ آتا۔

گھٹنہ کی تبدیلی کے آپریشن۔ پتہ نکالنے کا آپریشن۔ پیٹ کا آپریشن کے مواقع پر میں بھی ان کی خدمت میں حاضر تھا اور ان کے صبر و ضبط نفس کا عینی شاہد ہوں۔

۵۔ چھوٹی آپا کا مطالعہ بہت وسیع تھا رات کو خاصی دیر سے ہوتی تھی اور رات گئے تک مطالعہ کرتی تھیں۔ مگر نمازوں میں ناغہ کا کوئی تصور نہیں تھا۔ الحاح کے ساتھ اوّل وقت نماز ادا کرتی تھیں۔ گھٹنوں میں شدید درد کی تکلیف تھی مگر نماز میں تساہل کا کوئی سوال نہ تھا۔ اور روزہ کی پابندی تو اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ ایک سال میں اور بی بی نے ڈاکٹر کو کہہ کر ڈاکٹری ہدایت دلوائی کہ روزہ رکھنا مناسب نہیں۔

۶۔ حضرت چھوٹی آپا رحمہا اللہ کو یہ سعادت ہی حاصل ہے کہ حضرت مصلح موعود نے جب قادیان سے ہجرت کا سفر کیا تو آپ حضور کے ساتھ شریف سفر تھیں۔

۷۔ حضرت چھوٹی آپا کو ایک زبردست سعادت جو سالہا سال تک حاصل رہی حضرت اماں جان کی خدمت اور...... تھی۔ چھوٹی آپا کے پاس قادیان میں حضرت اماں جان کے گھر کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری تھی اور یہ خدمت ربوہ میں بھی جاری رہی۔ حضرت اماں جان کو غیر معمولی شفقت کی سعادت ملی۔ حضرت مصلح موعود چھوٹی آپا کو حضرت اماں جان کی فہرست کی خاص تاکید فرماتے اس کا علم مجھے اس طرح بھی ہوا کہ حضرت مصلح موعود کی وفات کے بعد جب حضرت چھوٹی آپا صاحبہ پہلی دفعہ حضور کے مزار پر دعا کے لئے گئیں تو بی بی متین اور خاکسار بھی ہمراہ تھے۔ چھوٹی آپا نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے دعا شروع کی مگر دو ایک منٹ کے بعد وہاں سے ہٹ کر حضرت اماں جانؓ کے مزار کے سامنے کھڑی ہوئیں اور لمبی دعا کی پھر حضرت مصلح موعود کے مزار پر واپس جا کر دعا کی۔ بعد میں بتایا کہ جب میں نے حضور کے مزار پر دعا شروع کی تو ایسا محسوس ہوا کہ حضرت مصلح موعود سامنے آکر کھڑے ہوگئے اور گھور کر مجھے دیکھا کہ ساری عمر تو میں یہ سبق دیتا رہا ہوں کہ پہلے اماں جان کا خیال رکھنا اور پھر اس کے بعد میرا مگر تم ان کے مزار پر دعا سے پہلے میرے مزار پر دعا کر رہی ہو۔ حضرت مصلح موعود نے جس رنگ میں چھوٹی آپا کی تربیت فرمائی یہ اس کی ایک جھلک ہے۔

حضور کے رمضان میں MTA کے درس شروع کرنے سے پہلے جب مسجدوں میں مائیک بند ہوا ہے۔ رمضان میں گھر پر ہر سال خاندان میں قرآن مجید کا درس دیتی رہیں جب حضور کا درس MTA پر آنے لگا تو خود درس دینا بند کر دیا۔

کئی بار یہ ذکر کیا کہ حضرت مصلح موعود فرماتے تھے کہ تمہاری یہ بات مجھے بہت پسند ہے تم میرے بچوں سے محبت کرتی ہو اور ان سے شفقت کرتی ہو۔

۹۔ حضرت چھوٹی آپا کو خلافت احمدیہ کی اطاعت اور ادب و احترام میں حد درجہ بلند مقام حاصل تھا مجھے اور بی بی کو اور ہمارے بچوں کو خوب احساس ہے کہ چھوٹی آپا خود بھی دربار خلافت کے ہر حکم کو شرح صدر کے ساتھ ماننا اپنی سعادت سمجھتی تھیں۔ یہی نہیں سکھاتی اور ایسا ماحول قائم کرتی تھیں جس سے روح زندہ رہے۔ میں نے ان کو ہمیشہ خلافت کا وفادار اور فدائی دیکھا اور پایا۔

# اجڑے دیار کی ایک جھلک

(مقالہ نگار۔ مکرم مسعود احمد صاحب دہلوی۔ سابق مدیر "الفضل")

داغ دہلوی نے عروس البلاد شہرِ دلّی کی بربادی پر نوحہ کرتے ہوئے کہا تھا:۔

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلّی
بہشت و خلد میں بھی انتخاب تھی دلّی
جواب کا ہے کو تھا لاجواب تھی دلّی
مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلّی
پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اِسے کھا گئی نظر کس کی
یہ شہر وہ ہے کہ ہر انس و جان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدر دان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھا
رہی نہ آدھی یہاں سنگ و خشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

داغ مرحوم نے ۱۹۰۵ء میں انتقال کیا اور اس کے بھی پندرہ سال بعد کوچہ چہلی امیراں المعروف بہ "کوچہ چیلاں" کے پھتہ حکیم آغا جان میں مَیں پیدا ہوا۔ اِس لئے میں نے وہ دلّی نہیں دیکھی جس کی بربادی پر داغ نے آنسو بہائے تھے۔ میرے زمانہ کی دلّی تو راکھ کا ایک ڈھیر تھی۔ ایسا ڈھیر جو شعلوں کے بھڑکنے اور کوئلوں کے دہکنے کے بعد آگ کے سرد پڑنے پر زمین پہ باقی رہ جاتا ہے۔ آگ اگرچہ بجھ جاتی ہے تاہم راکھ کے ڈھیر میں حرارت اور تمازت بعد میں بھی دیر تک باقی رہتی ہے۔ اِس لئے کہ اُس میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے انگارے دبے ہوتے ہیں۔ ہوا کے چلنے سے جب اُن پر راکھ ہٹتی ہے تو رات کے اندھیرے میں وہ ٹم ٹم کرتے ہوئے چمک اٹھتے ہیں۔ ننھے منھے انگاروں کی وہ بظاہر معصوم ٹمٹماہٹ وقتی طور پر راکھ کے اُس ڈھیر کو ایک حسن اور رعنائی عطا کر دیتی ہے۔ اِس طرح بربادی کا آئنہ دار ہونے کے باوجود راکھ کا وہ ڈھیر دیکھنے والوں کو خوبصورت نظر آنے لگتا ہے۔ میرے زمانہ کی دِلی راکھ کا ایک ڈھیر تھی۔ میں بدنصیب بربادی کا احساس کئے بغیر راکھ کے اُس ڈھیر کے حسنِ دل آویز پر ہی سو جان سے فدا تھا۔

آسمانِ ادب کے وہ آفتاب و ماہتاب اور روشن ستارے اور مروجہ علوم و فنون میں دسترس رکھنے والے وہ نابغہ روزگار وجود جن کے دم قدم سے یہ شہر بقول داغ مرحوم ہندوستان میں ہی نہیں سارے جہاں کا دل شمار ہوتا تھا ایک ایک کر کے اِس جہاں سے اٹھ چکے تھے۔ لیکن اُس گئی گزری حالت میں کچھ صاحبانِ کمال ایسے ضرور موجود تھے جنہوں نے دبے ہوئے ننھے منھے انگاروں کے مانند راکھ کے اُس ڈھیر کو عجب دل آویزی سے ہم کنار کر رکھا تھا۔ اُس روبہ زوال معاشرہ کے مایہ صد افتخار صاحبان باکمال میں سے مصورِ غم مولانا راشد الخیری، مصور فطرت خواجہ حسن نظامی، وحید الدین بیخود، نواب سراج الدین سائل، آغا شاعر قزلباش، حکیم محمود علی ماہر، نہال سوہاروی، برج موہن، پنڈت امرناتھ ساحر، تربھون ناتھ زار، ظہور احمد وحشی، خواجہ محمد شفیع، سید ولی اشرف صبوحی، ملاّ واحدی اور شاہد احمد دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے دم سے شعر و ادب کی محفلیں زندہ تھیں۔ مشاعرے اور ادبی حلقے تو الگ رہے شادی بیاہ یا عام رسمی دعوتوں کی کسی تقریب میں ہی ان میں کچھ اصحاب شرکت کرتے تو اپنی نکتہ آفرینیوں اور بذلہ سنجیوں سے محفل کو کشتِ زعفران

بنا دیتے۔ ان باکمال حضرات کی سحر بیانی سے وہ سماں بندھتا کہ سامعین گل افشانی گفتار کا نظارہ کرنے میں ایسے محو ہوتے کہ انہیں گرد و پیش کی کچھ خبر نہ رہتی۔ ہر کوئی سن رہا اور سر دھن رہا ہوتا۔ ایسی ہی ایک محفل کا جس میں حسنِ اتفاق سے میں بھی شریک تھا آپ کو کچھ حال سناتا ہوں۔

☆☆☆

دلی کے دو اونچے گھرانوں میں شادی کی تقریب تھی۔ لڑکے والے بھی اچھے کھاتے پیتے اور مرفع الحال تھے اور لڑکی والے تو تھے ہی ماشاء اللہ پوتڑوں کے رئیس۔ شادی کے بلاوے اِس کثرت سے دیئے گئے کہ لڑکی والوں کے اپنے مہمان الگ رہے۔ بارات ہی سینکڑوں افراد پر مشتمل تھی۔ لڑکی والے کشمیری دروازے کے عین سامنے واقع کیپٹل سینما کے پچھواڑے رہتے تھے۔ سینما کی عمارت بہت صاف ستھری اور شاندار و خوبصورت تھی اور تھی بھی جہازی سائز کے پوسٹروں مصور بورڈوں اور اسی قسم کی بے ہنگم آرائشوں سے معرا۔ پہلی نظر میں کوئی پہچان نہ سکتا تھا کہ یہ سینما گھر ہے۔ لڑکی والوں نے سینما ہال کرائے پر لے کر بارات کو اسی میں ٹھہرانے کا انتظام کیا۔ بارات کے ٹھہرنے کا یہ انتظام لوگوں کے لئے اچنبھ کا موجب تھا۔ نکاح ٹھہرا ایک مذہبی فریضہ۔ اس فریضہ کی ادائیگی جگہ کی قلت اور تنگی کے باعث اگر گھر پر نہیں مسجد میں تو ہو سکتی تھی۔ سینما ہال سے اس کا بھلا کیا جوڑ۔ بہر حال سینما براتیوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ اسٹیج پر براق چاندنی کا فرش بچھا کر اسے غالیچوں اور گاؤ تکیوں سے مزین کیا گیا تھا۔ خوشنما نقرئی خاصدان پان کے بیڑوں سے اٹے ہوئے تھے اور فاصلہ فاصلہ پر قلعی کئے ہوئے چمکدار پیک دان دھرے تھے۔ اگر بتیوں اور عود و عنبر کی خوشبو سے سارا ہال مہک رہا تھا۔

دولہا اور اس کے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ عمائدین شہر کو روایتی احترام کے ساتھ اسٹیج پر بٹھایا گیا۔ ان عمائدین با تمکین میں دیگر حضرات کے علاوہ یادش بخیر خواجہ حسن نظامی بھی تھے۔ پہلے امام صاحب جامع مسجد نے مسنون طریق پر نکاح کا اعلان کیا۔ آیات مسنونہ کی تلاوت اور ایجاب و قبول کے بعد جونہی نکاح کی رسوم پایہ تکمیل کو پہنچیں ہر طرف سے مبارکباد کا غلغلہ بلند ہوا اور ہال "مبارک سلامت" کی آوازوں سے گونج اٹھا۔ اس کے بعد حاضرین میں خوشنما رومالوں میں بندھی ہوئی بندھینے سمیت مٹھائی کی طشتریاں تقسیم ہونا تھیں۔ سب اپنی اپنی جگہ بیٹھے تھے۔ اور تقسیم کرنے والے بڑے قاعدے قرینے سے ہر مہمان کی خدمت میں طشتری پیش کرتے جاتے تھے۔ مٹھائی کی تقسیم کے دوران ہال میں مکمل سکوت طاری تھا۔

سٹیج پر بیٹھے ہوئے ایک صاحب کو جو لڑکی والوں میں سے تھے شادی کی پر رونق محفل میں خموشی کی لہر بہر کی بجائے سناٹے اور سکوت کی یہ کیفیت ناگوار گزری۔ انہیں اور کوئی بات تو سوجھی نہیں مائک اٹھا کر خواجہ حسن نظامی صاحب کے آگے رکھ دیا اور عرض کیا موقع کے مناسب حال کچھ ارشاد فرمایئے' اس نامناسب سکوت کا سقوط نہ صرف مناسب بلکہ ضروری اور ازبس ضروری ہے۔ خواجہ صاحب نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے فرمایا "تم کون کہ خواہ مخواہ" کا مصداق میں کیوں بنوں' بولیں نہ بولیں قبلہ امام صاحب' اس وقت بولنے بلکہ ارشاد فرمانے کا حق تو ان کا ہے۔ امام صاحب نے فرمایا اعلان نکاح کے سلسلہ میں مجھے جو کہنا تھا میں کہہ چکا۔ مزید کچھ کہیں نہ کہیں خواجہ صاحب' ادیب اور خطیب ہونے کے حوالہ سے اب یہ حق انہی کا ہے' اور انہی ہی کو کچھ فرمانا چاہئے۔ خواجہ صاحب نے دیکھا کہ جان چھوٹتی دکھائی نہیں دیتی' اگر مزید انکار کیا تو سب جھاڑ کا کانٹا بن کر پیچھے پڑ جائیں گے اور پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا' اس لئے چار و ناچار لب کشائی پر آمادہ ہو ہی گئے۔ خواجہ صاحب بلا کے ذہین و فطین' بات سے بات نکالنے اور بال کی کھال اتارنے والے مشاق و شہرہ آفاق ادیب اور دسوں انگلیاں دسوں چراغ کے مصداق' اس پر بولنے

کا انداز نہایت دلنشین۔ ایک ایک فقرہ، نہیں نہیں لفظ لفظ سننے والوں کے دلوں میں اترتا چلا جاتا۔ اس وقت، انہوں نے جو کچھ فرمایا میں اسے من وعن ان کے الفاظ میں تو بیان نہیں کر سکتا البتہ اپنے حافظہ کی مدد سے حتی الامکان اصل کی رعایت رکھتے ہوئے اسے اپنے الفاظ میں بیان کرتا ہوں۔ سب کی نظریں خواجہ صاحب کے ہونٹوں پر جمی ہوئی تھیں اور کان جنبش لب سے پیدا ہونی والی آوازِ دل پسند پر سننے کے منتظر و مشتاق تھے۔ یکایک ہال میں خوجہ صاحب کی آواز گونجی :۔

"یہ شادی سینما حال میں رچائی جارہی ہے۔ آپ میں سے اکثر کو تعجب ہو گا کہ شادی کی تقریب کے لئے سینما ہال کا انتخاب کیوں کیا گیا۔ بھلا شادی اور سینما ہال کا آپس میں کوئی جوڑ ہے؟ متعجب میں بھی تھا لیکن جب میں نے غور کیا تو تعجب بے محل نظر آیا۔ شادی کا اس سینما ہال سے کوئی جوڑ ہے یا نہیں یہ امر دیگر ہے۔ لیکن اس ضمن میں ایک بات قابل غور ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ شادی میں کام آنے والی اکثر چیزیں، اس سے تعلق رکھنے والی اکثر رسمیں اور اس کے نتیجہ میں قائم ہونے والے اکثر رشتے ایسے ہیں جن کے نام یا تو "س" سے شروع ہوتے ہیں یا ان کے نام میں "س" کا حرف ضرور آتا ہے۔

پہلے شادی کے نتیجہ میں قائم ہونے والے رشتوں ہی کو لیجئے۔ کیا کہلاتے ہیں یہ رشتے؟ یہی کہ ساس، سسر، سسرال، سمدھی، سمدھن، سمدھیانا، سالا، سالی، سلج اور آخر میں لاکھ اچھی سہی پھر بھی سوہڑوں کی ایک بڑی سوکن اور اس کا سوکناپا اور پھر سوکن کی اولاد اور اس کا سلوک یعنی سوتیلا، سوتیلی اور سوتیل پن۔

اب آیئے شادی، اس کی رسوم، اس کے سازوسامان اور انتظام و انصرام کی طرف سو اس سلسلہ میں ہم سب کے جانے پہنچانے نام یہ ہیں۔ سہاگن، سہاگ پڑا، سہاگ رات، سات سہاگنوں کا سایہ، سنگھار، سنگھار دان، سرمہ، سرمے دانی، سلائی، دنداسہ، سیندور، سلمہ ستارا، سہرا، سہرا بندھائی، سلامی، سربالا، سرتاج، ساچق، آرسی، آرسی مصحف، سیج، سیج بند، سوزنی، سجاوٹ، سج دھج، سیٹھنی سٹھورا، اور آخر میں دلہن کی سوخوبیوں کے برابر ایک خوبی سگھڑ، سگھڑ پن، سگھڑاپا۔

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ جب شادی کی بات بات میں "س" کا اتنا عمل دخل ہے تو پھر شادی سینما ہال میں رچائی جائے تو اس پر تعجب بے محل ہے یا نہیں"۔

خواجہ صاحب نے جب شادی کے نتیجہ میں قائم ہونے والے رشتوں، شادی کی رسوم اور شادی سے متعلق چیزوں کے نام گنوانے شروع کئے اور سانس لئے بغیر بے تکان "س" کی گردان چھیڑی تو ہر طرف سے آہا ہا، واہ واہ کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ سامعین اس نکتہ آفرینی اور گفتار کی شیرینی پر پھڑک اٹھے اور وہی محفل جس پر سکوت طاری تھا آن کی آن میں کشت زعفران نظر آنے لگی۔

ایسا ہی ایک اور دلچسپ واقعہ سماعت فرمایئے۔ ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء کی بات ہے ہم کچھ نوجوان (معاف کیجئے یہ آج سے نصف صدی پہلے کی بات ہے اس لئے کہ یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا) ہاں تو میں عرض یہ کر رہا تھا کہ ہم کچھ نوجوان ایک کام کے سلسلہ میں خواجہ حسن نظامی صاحب سے ملنے دہلی شہر بستی نظام الدین روانہ ہوئے۔ بدقسمتی یا خوش قسمتی سے ایک اور نوجوان ہماری مرضی کے برخلاف خواہ مخواہ ہمارے ساتھ ہو لئے۔ یہ صاحب تھے تو سید زادے، ایک دین دار خاندان کے چشم و چراغ لیکن تھے بڑے اپ ٹو ڈیٹ۔ لباس تو مشرقی ہی پہنتے تھے لیکن خیر سے تھے صفاچٹ۔ داڑھی مونچھیں اس صفائی سے مونڈتے تھے کہ کیا مجال کہ بالوں کے سرے کبھی سر اٹھا سکیں۔ وہ اس کی نوبت ہی نہ آنے دیتے تھے۔ جب دیکھو چہرا اسٹیشن کے پلیٹ فارم کی طرح صاف اور چمکتا نظر آتا۔ اس پر طرہ یہ کہ تھے بہت سرتے اور چالاک، تینترے اور چرچرے یعنی افلاطونی اور بلا کے باتونی۔ بس یوں سمجھ لیجئے حرفوں کے بنے

ہوئے تھے حرفوں کے۔ بات کرتے تو زبان قینچی کی طرح چلتی' اپنی ہی کہے جاتے۔ دوسرے کو بولنے کا موقع ہی نہ دیتے۔ زبان تالو سے لگنے کا نام نہ لیتی تھی۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ جب ہم ملاقات کے کمرے میں داخل ہوئے تو یہ صاحب جھپٹ کر آگے بڑھے اور خواجہ صاحب کے عین سامنے جا بیٹھے اور لگے اوٹ پٹانگ اور اناپ شناپ بولنے۔ زبان کیا کھولی بس پوری رفتار سے ریل گاڑی چلادی۔ ہم بہت گھبرائے کہ آئے کس کام تھے یہ حضرت اور ہی رام کہانی لے بیٹھے۔ ان کی بات تو شیطان کی آنت تھی اسے ہم کیسے کاٹ سکتے تھے۔ ان کے منہ میں لگام دینا ہمارے بس میں نہ تھا اس لئے بے بس ہو کر دم بخود بیٹھے ان کی شکل دیکھتے رہے اور زیر لب دعا کرتے رہے۔ الٰہی ان کی ریل گاڑی رکے یا پٹڑی سے اترے تو ہمیں بھی بات کرنے کا موقع ملا۔ لیکن صاحب! وہ کوئی مسافر گاڑی تو تھی نہیں جو کسی اسٹیشن پر رکنے کا نام لیتی۔ وہ تو تھی میل ٹرین یا ڈاک گاڑی' فراٹے بھرتی ہوئی پوری رفتار سے چلی جارہی تھی۔

ادھر خواجہ صاحب اپنی جگہ حیران کہ عجب بے ڈھب قسم کے باتونی سے پالا پڑا ہے۔ زبان رکنے کا نام نہیں لیتی۔ وہ ان حضرت کی آنکھوں کی چنک مٹک' چہرے کے اتار چڑھاؤ' ہاتھوں کی مذبوحی حرکات اور ہوائی جہاز کو مات کرنے والی رفتار گفتار کا اس حال میں جائزہ لے رہے تھے کہ آنکھوں میں حیرت کے آثار نمایاں تھے اور چہرے پر تبسم کھیل رہا تھا۔ خواجہ صاحب نے ان کی کسی بات کا جواب نہ دیا' نہ ان کی ہاں میں ہاں ملائی اور نہ کسی بات کی تردید کی۔ البتہ ایک موقع پر یکدم ان کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا۔ میاں صاحبزادے! یہ تو بتاؤ کہ اپنے ساتھیوں کے برعکس تمہاری داڑھی مونچھ کیوں صاف ہے۔ اس سوال میں نہ جانے کیا جادو بھرا تھا اسے سنتے ہی وہ ایسے جھینپے کہ یکدم خاموش ہو گئے اور لگے بغلیں جھانکنے۔ بس ان کی وہی حالت ہوئی جو ایک تیز رفتار گاڑی کی یکایک بریک لگ جانے سے ہوتی ہے۔ ان کے مہر بلب ہونے پر ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ خواجہ صاحب کی خدمت میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا جسے انہوں نے از راہ شفقت خاطر خواہ پورا کر دیا۔

اب تک تو میں نے راکھ کے اس ڈھیر کا جس سے میرے زمانہ کی دلی عبارت تھی کچھ حال بیان کر کے ان بچے کچھے انگاروں میں سے ایک انگارے کا ذکر کیا ہے جو اپنی خوش رنگ چمک دمک سے اس ڈھیر کو ایک گونہ خوبصورتی اور رعنائی عطا کرنے کا موجب بنے ہوئے تھے۔ اس ڈھیر میں ننھے منھے بے شمار انگارے اور بھی تھے جو راکھ کے اندر کسی قدر گہرائی میں روپوش ہونے کے باوجود اس ڈھیر کی رہی سہی گرمی اور تمازت کو برقرار رکھنے میں ان دبے ہوئے چھوٹے چھوٹے انگاروں کا بھی ہاتھ تھا۔ ان کا دوسروں کو اس وقت ہی پتہ لگتا تھا جب کوئی دل جلا راکھ کو کرید کر ایسے کسی انگارے کو منظر عام پر لے آتا تھا۔ چنانچہ میں خود اس کا عینی شاہد ہوں کہ ایک دفعہ دلی کے ایک ہندو ادیب جناب طالب بنارسی نے ایسے ہی ایک دبے ہوئے انگارے کو اس ڈھیر میں سے کرید نکالا اور دنیا اس کی چمک دمک اور دل آویز جھلک کو دیکھ کر ورطہ حیرت میں پڑے بغیر نہ رہی۔ دلی مرحوم کے اس آخری دور میں ایک بہت بلند پایہ نغز گو شاعر ہو گزرے تھے۔ ان کا نام نامی اور اسم گرامی تھا مہاراج بہادر برق' سچ بات یہ ہے کہ وہ علی الخصوص نظم کہنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور بلا مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ فنی صلاحیتوں میں چکبست سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اردو فارسی پر عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی اچھی خاصی دسترس رکھتے تھے لیکن افسوس عمر نے وفا نہ کی نوجوانی میں ہی فوت ہو گئے اس لئے پنجاب اور یوپی کے ادبی حلقوں میں معروف نہ ہو سکے۔ جناب طالب بنارسی سال کے سال ان کی برسی منایا کرتے تھے۔ اپنے مکان پر جو برنا شاہ بولا کے علاقہ میں واقع تھا ایک ادبی محفل منعقد کرتے جس میں جناب برق کی شاعری پر مقالے پڑھے جاتے اور شعراء منظوم خراج عقیدت پیش کرتے۔ ان مقالوں اور نظموں کو طالب بنارسی کتابی شکل میں شائع کر دیا کرتے تھے۔

جناب برق دہلوی کی یاد میں منعقد کی جانے والی ایسی ہی ایک محفل میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا۔ میرے زمانہ کی دلی کے لحاظ سے کم از کم میرے لئے وہ ایک یادگار محفل ثابت ہوئی۔ اس محفل میں دلی کے نامور شاعر و ادیب جناب برج موہن وتاتریہ کیفی صدارت فرما رہے تھے۔ دو تین ہندو ادیبوں نے یکے بعد دیگر مقالے پڑھے لیکن افسوس وہ اس پایہ کے نہ تھے کہ برق کی عظمت کو خراج عقیدت پیش کرنے کا حق ادا ہو سکتا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ ہندو کالج دہلی کے ایک ہندو پروفیسر جناب ضیاء فتح آبادی نے اپنے مقالے میں یہ گلہ کر ڈالا کہ اگرچہ ہندوؤں نے اردو ادب کی بہت گراں بہا خدمت کی ہے۔ لیکن مسلمانوں نے اس کا اعتراف کرنے میں بخل سے کام لیا ہے۔ ضیاء فتح آبادی کے اس سراسر بے محل اور ناروا اظہار خیال سے محفل کی فضا کس قدر مکدر ہو گئی۔ مسلمان حاضرین نے ناک بھوں چڑھائی اور بعض لوگ اسٹیج پر پہنچ کر اس گلہ بے جا کا حساب چکانے کے لئے پر تولنے لگے۔ صدر مجلس جناب علامہ کیفی نے رنگ محفل بدلتا دیکھ کر فوراً ہی اعلان کیا کہ پروگرام میں ایک مسلمان ادیب کا مقالہ بھی شامل ہے اب میں انہیں مقالہ پیش کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

صاحب صدر کے اس اعلان کے ساتھ ہی ادھیڑ عمر کے ایک گمنام ادیب مقالہ سنانے آگے بڑھے۔ ملگجے کپڑوں میں ملبوس یہ بزرگ اس حال میں مقالہ ہاتھ میں تھامے آگے آئے کہ ڈھیلی ڈھالی اچکن کے اکثر بٹن کھلے ہوئے تھے۔ پہلے تو انہوں نے اچکن کی ایک جیب میں سے پرانے وقتوں کی ایک ٹوٹی پھوٹی عینک نکالی۔ اسے ناک پر جمانے کے بعد مقالہ پڑھنے سے پہلے دھیمی آواز میں کھنکارتے ہوئے گلا صاف کیا۔ وہاں بیٹھے ہوئے مسلمان ایک غیر معروف آدمی کو دیکھ کر بہت متعجب ہوئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے یہ حضرت کیا مقالہ پڑھیں گے۔ مسلمانوں کی نمائندگی کے لئے طالب صاحب کو اور کوئی نہ ملا جو اس گمنام شخص کو بایں ہیئت کذائی یہاں لا کھڑا کیا ہے۔ ایک نوجوان شاعر جو غالباً اسیر تخلص کرتے تھے اس قدر آپے سے باہر ہوئے کہ قریب ہی بیٹھے ہوئے اپنے ساتھ سے کہنے لگے میاں یہ اول جلول تو آج ہماری ناک کاٹ کر ہی رہیں گے۔ اس بے ادب بندہ گستاخ نے یہ نازیبا الفاظ زبان سے ادا کئے ہی تھے کہ یکدم ان بزرگ نے بڑی ہی پر شوکت آواز' دل موہ لینے والے لب و لہجے اور کمال درجہ مسحور کن انداز میں مقالہ کی تمہید پڑھنا شروع کی۔ پر شوکت آواز اور پڑھنے کے انداز میں کچھ ایسا جادو بھرا ہوا تھا کہ سرگوشیاں یکدم ختم ہو گئیں۔ سب ہمہ تن گوش ہو کر مقالہ سننے میں ایسے محو ہوئے کہ گردو پیش کی خبر نہ رہی۔ آن کی آن میں محفل کا رنگ ہی بدل گیا۔ دلی کی ٹکسالی زبان میں لکھے ہوئے مقالہ کے ایک ایک فقرہ پر سامعین کا رنگ ہی بدل گیا۔ دلی کی ٹکسالی زبان میں لکھے ہوئے مقالہ کے ایک ایک فقرہ پر سامعین ماہی بے آپ کی طرح تڑپنے لگے۔ "آہاہا' واہ واہ واہ' ماشاء اللہ کیا روانی ہے' کس بلا کی سلاست ہے' الفاظ نہیں نگینے ہیں نگینے" ہر طرف سے یہ آوازیں بلند ہونے لگیں۔ وہ جو پہلے دل ہی دل میں آوازے کس رہے تھے۔ اب مقالہ نگار کی ہیئت کو بھول اس کے منہ سے جھڑنے والے پھول چننے میں مصروف تھے۔ مقالہ کی تمہید یہ تھی۔

"آہ! دلی وہ دلی نہیں رہی۔ دلی والے چل بسے۔ ان کی جگہ غیروں نے لے لی۔ شہر پر قبضہ' زبان پر تصرف' زمانے نے وفا نہ کی۔ آسمان نے دیدے پھیر لئے۔ اردو کی روزمرہ جن گودوں میں پلی بڑھی اب وہ گود ہے نہ گود والے۔ آسمان نے دنیا کی دارو گیر کے لئے چکر کھایا۔ بساط دنیا پر ایک نیا دور آیا۔ سلطنت مٹی' مٹنی ہی تھی۔ دولت حشمت نہ رہی' بلا سے' کس کے پاس سدا رہی ہے جو یہاں رہتی۔ ستم تو یہ ہے دلی کا تمدن' دلی کی زبان' یہاں کی پوشش یہاں کا رکھ رکھاؤ اب کسی کو ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ سینکڑوں عیب نکالے اور ہزاروں کیڑے ڈالے جاتے ہیں۔ رہے سہے اگلے زمانے کے جو لوگ باقی ہیں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم دیکھتے ہیں اور چپ ہیں۔ اللہ' اللہ! وہ دن بھی تھے کہ دلی والے زبان والے کہلاتے تھے۔ اور یہ دن بھی دیکھنے

مقدر تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں کانوں میں پڑتی ہیں۔ مگر کم بخت اس دل کا کیا کریں وہ چاشنی' وہ مزہ' وہ لذت' وہ حلاوت' وہ پھڑکتی ہوئی ترکیبیں' وہ مچلا دینے والی تشبیہیں' منہ سے بے ساختہ نکلے ہوئے جملے' نازونیاز کی گفتگو' قلعہ معلیٰ کی اردو' سب سے نیارنگ' سب سے جدا ڈھنگ' انوکھی ادا' نرالی شان' یہ دل غمزدہ کسی اور بولی میں نہیں دیکھتا اور نہیں پاتا۔ یہ سینے میں ہی ہمکتا ہے۔ کچھ کہنا چاہتا ہے موقع محل نہیں' دم بخود ہے۔ بھلا مجھے برق صاحب سے محبت اور عقیدت کیوں نہ ہو۔ برق دلی والے تھے' بزرگوں کی یادگار' ان کے نقش قدم پر چلنے والے' ان کے نام لیوا' ان کی آن بان کو قائم رکھنے والے۔ میں کیا ہر دلی والے کا دل ان کی محبت سے لبریز ہے اور جذبات عقیدت سے معمور۔"

دلی کی ٹکسالی اور موتیوں کی طرح نکھری ہوئی زبان کی تمام خوبیاں تمہید کے طور پر لکھی ہوئی اس عبارت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہیں۔ ہر فقرہ جملہ کی مانند مختصر لیکن اپنی جگہ جامعیت کا مظہر۔ اس کے باوجود عبارت روانی اور سلاست کی اس درجہ آئینہ دار کہ دریا کی روانی بھی اس کے آگے مات۔ اس پر برجستہ محاوروں کی بہتات اور نگینوں کی طرح جڑے ہوئے ہم قافیہ اور ہم وزن الفاظ کی تکرار رنگینی بہار کی دل آویز کیفیت سے مالامال۔

سارا مقالہ دلی کی ٹکسالی زبان میں اسی دل موہ لینے والے انداز میں لکھا ہوا تھا جس میں برق صاحب کی بلند پایہ غزلوں اور مسحور کر دینے والی نظموں کے نمونے پیش کر کے ان کی فنی خوبیوں اور زبان وبیان کی دل آویزیوں کو بڑے ہی اچھوتے انداز میں واضح کیا گیا تھا۔ عناصر اربعہ' منطق وفلسفہ' ذرہ کی حالت اولین' جزلایتجز' اسلاف و قدماء کے کارنامے' اخلاق' تمدن' معشت' سائنس' حکمت اور مذہب وغیرہ کے متعلق جناب برق کی خیال آفرینیوں کو بہت عمدہ پیرائے میں اجاگر کر کے عجب والہانہ انداز میں محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کئے گئے تھے۔ اس پر بس نہیں بلکہ انگریزی نظموں کا نہایت دلکش و حسین منظوم ترجمہ کرنے میں ان کی حیران کن مہارت پر نہایت موثر انداز میں روشنی ڈالی گئی تھی۔ اپنے اس بھرپور اور بصیرت سے معمور مقالہ کو ان بزرگ نے ان الفاظ پر ختم کیا۔

"آہ! جناب برق آج ہم میں نہیں۔ وہ شاعر جس کا قلم سحر رقم تھا' جس کی زبان جادو بیان تھی' جس کا خیال برق مثال تھا' جس کی نظم رونق بزم تھی' جس کا کلام مقبول انام تھا۔ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر دنیا سے چل بسا۔ غنیمت ہے طالب صاحب کا دم جن کے دم سے جناب برق کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ برق دنیا میں نہ رہے۔ مقدرات الہیہ میں کسی کا چارہ نہیں۔ لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ برق کا کلام زندہ ہے' زندہ رہے گا اور رہتی دنیا تک اہل دل اہل نظر اور ہل ذوق ان کی یاد پر قبولیت اور محبت کے پھول نچھاور کرتے رہیں گے۔ میں یہ مضمون لکھ رہا تھا' لکھتے لکھتے مجھ پر وارفتگی کا عالم طاری ہو گیا۔ جناب برق کی یاد دل میں چٹکیاں لینے لگی۔ خیال آیا ان کی قبر پر جاؤں اور عقیدت کے پھول چڑھاؤں۔ معاً خیال آیا وہ تو ہندو تھے۔ بے ساختہ فارسی کا یہ شعر زبان پر جاری ہوا۔

بعد از وفات تربت ما از زمیں مجو
در سینہ ہائے عارفاں پاشہ مزار ما

جونہی ان بزرگ نے مقالہ ختم کیا ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوئیں اور محفل میں ایک شور پڑ گیا۔ اکثر لوگوں کی زبان پر تھا گوڈری میں لعل اس کو کہتے ہیں۔ وہ نوجوان شاعر جنہوں نے مقالہ سننے سے قبل ان بزرگ کو اول جلول کہہ کر استہزاء کیا تھا کف افسوس مل رہے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے بلکہ کہے جا رہے تھے ہائے مجھ سے کیسی خطا سرزد ہوئی' بیٹھے بٹھائے ایسے بلند پایہ اور کہنہ مشق ادیب کی شان میں گستاخی کر بیٹھا' مجھے کیا معلوم تھا ان ملگجے کپڑوں میں نگاہوں کو خیرہ کر دینے والا ہیرا' لعل بے بہا بلکہ گنج گراں مایہ چھپا ہوا ہے۔ تحسین و آفرین کی صداؤں کا یہ سلسلہ جناب برج موہن کے ان صدارتی ارشادات پر اپنے اختتام کو پہنچا۔

"آپ صاحبان نے جناب آسان دہلوی کا مقالہ سنا۔ انہوں نے یہ مقالہ بہت ہی دل موہ لینے والے انداز میں تحریر کیا ہے اور تحریر بھی کیا ہے محبت و عقیدت میں ڈوب کر۔ برق جیسے باکمال شاعر کے کلام کی فنی خوبیوں کو اجاگر کرنے میں مقالہ نگار نے کمال ہنرمندی کا ثبوت دیا ہے۔ مزید برآں یہ مقالہ جناب برق سے بھرپور عقیدت کا آئینہ دار ہونے کے باعث اس امر کا ایک بین ثبوت ہے کہ جناب ضیاء فتح آبادی کا گلہ سراسر بے محل اور ناروا تھا۔ اس قدر خوبصورت مقالہ کے ساتھ ہی میں اس مجلس کے اختتام پذیر ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔"

مجلس کے اختتام کا اعلان ہوتے ہی حاضرین مقالہ نگار بزرگ سے مصافحہ کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے۔ جوش عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ مصافحہ کرنے کی کوشش میں ایک دوسرے پر گرتے پڑتے تھے۔

ادب میں عالی مقام ہونے کے باوجود یہ گمنام ادیب کون تھا؟ یہ تھے عوام کی نگاہوں سے پوشیدہ لیکن خواص کے نزدیک برگزیدہ مسیح آخرالزمان سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے "رفیق"۔ جناب محمد حسن، آسان دہلوی جنہیں خواجہ حسن نظامی نے ایک دفعہ جناب خواجہ محمد شفیع کی اردو مجالس میں چمکتا دیکھ کر بلبل ہزار داستان" کا خطاب دیا تھا اور ایک دفعہ خود ان کے غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر ان سے اپنے تعلق خاطر کا بہت اچھوتے انداز میں اظہار فرمایا تھا۔ اس واقعہ کے یہاں بیان کرنے سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اگرچہ میرے زمانے کی دلی راکھ کا ایک ڈھیر تھی لیکن راکھ کے اس ڈھیر میں ذرا گہرائی کے اندر بے شمار چھوٹے چھوٹے انگارے دبے ہوئے تھے۔ نیرنگی زمانہ نے انہیں کھل کر منظر عام پر آنے اور اپنے جوہر دکھانے کی مہلت نہیں دی۔ ان میں سے کوئی انگارہ اس وقت ہی منظر عام پر آتا تھا جب طالب بنارسی جیسا کوئی جوہر شناس اسے آسان دہلوی کی طرح کرید کر ڈھونڈ نکالتا اور دنیا کو اس کے نظارے سے مسحور کر کے اس امر کا ثبوت بہم پہنچاتا کہ یہ خاکستر اپنی تمام تر بربادی کے باوجود اب بھی بہت زرخیز ہے۔

میں نے اپنے زمانے کی دلی کی ایک خفیف سی جھلک دکھائی ہے یعنی اس دلی کی جو راکھ کا ایک ڈھیر تھی لیکن راکھ کا یہ ڈھیر اگرچہ تباہی و بربادی اور ویرانی کا آئینہ دار تھا تاہم اپنی باطنی سرسبزی و شادابی میں گلہائے رنگارنگ سے بھرپور و معمور کسی ظاہری سبزہ زار سے کسی لحاظ سے بھی کم نہ تھا۔ لیکن افسوس صد افسوس! اب راکھ کا وہ ڈھیر صحیح معنوں میں راکھ کا ڈھیر بن چکا ہے جس میں کوئی حرارت باقی نہیں رہی اور بقول آسان دہلوی مرحوم "اب دلی وہ دلی نہیں رہی دلی والے چل بسے" کچھ شاہجہان آباد سے اس جہان میں جا آباد ہوئے اور باقی جو ہیں وہ دوسرے امصار و دیار میں پناہ گزیں ہو کر گوشہ خمول میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں۔

اکرم کمیشن شاپ

شوریٰ مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان 99-98ء منعقدہ 7`6 نومبر 1999ء



محترم راجہ منیر احمد خان صاحب (سابق صدر مجلس)، محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب، ناظر اعلیٰ و امیر مقامی (مہمان خصوصی)، محترم سید محمود احمد شاہ صاحب نو منتخب صدر مجلس برائے سال 2001-1999ء

نمائندگان مجلس شوریٰ

Monthly **Khalid** Rabwah

Regd. No . CPL - 139 Editor. Sayyed Mubashir Ahmad Ayaz November 1999



# خدام الاحمدیہ کا مقام

بانی مجلس خدام الاحمدیہ حضرت مصلح موعود نے فرمایا :۔

"میں ..... خدام الاحمدیہ کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اتنا اعلیٰ درجہ کا نمونہ قائم کریں کہ نسلاً بعد نسل (دین حق) کی روح زندہ رہے۔ (دین حق) اپنی ذات میں تو کامل مذہب ہے لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ شربت کے لئے کسی گلاس کی ضرورت ہوتی ہے اس طرح (دین حق) کی روح کو دوسروں تک پہنچانے کیلئے کسی گلاس کی ضرورت ہے اور ہمارے خدام الاحمدیہ وہ گلاس ہیں جن میں (دین حق) کی روح کو قائم رکھا جائے اور ان کے ذریعہ اسے دوسروں تک پہنچایا جائے گا...... پس ہمیشہ ہی (دین حق) کی روح کو قائم رکھو اس کی تعلیم کو قائم رکھو اور یاد رکھو کہ قومیں نوجوانوں کی دینی زندگی کے ساتھ ہی قائم رہتی ہیں۔"

(الفضل ۱۵ دسمبر ۱۹۵۵ء)